



www.urdu novelsmania.com

ناول: شاناب

رائٹر: زید ذوالفقار

السلام علیکم۔۔

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور اگر آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں تو

www.urdunovelsmania.com آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ

فارم فراہم کر رہی ہے۔۔ اگر آپ ہماری ویب سائٹ پر اپنا ناول ناولٹ، افسانہ، کالم

، آرٹیکل یہ شاعری پوسٹ کروانا چاہتے تو بھی ایک میل کریں

novelsmania.2020@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔۔

[Fb.com/NovelsMania.Official](https://fb.com/NovelsMania.Official)



0323-0707017

ناول: شاناب

تحریر: زید ذوالفقار

باب اول: ماسٹر

کالی سیاہ رات تھی۔

نمروح پہ چھایا آسمان چاند تاروں سے عاری تھا۔ ہر طرف سناٹا تھا جسے تشیان کی سمت سے، وقفے وقفے سے آتی آوازیں بوجھل کئیے ہوئے تھیں۔ اس ٹیڑھے میڑھے راستے پر، گھوڑے کے ٹاپوؤں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ سیاہ ندی کے پاس پہنچ کر گھڑسوار اپنی سواری سے اتر آئی تھی۔ آگے کا راستہ پیدل طے ہونا تھا۔ ندی کے دوسری طرف دور تک قد آدم گھاس اور جھاڑیاں تھیں۔ گھٹنے سے اوپر تک آتے پودوں کو ہٹاتے ہوئے، اپنے کندھے سے وہ ننھا وجود لگائے وہ

آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ آگے سے آگے چلتے جاتے، وہ جھونپڑی دکھائی دی تھی۔

وہ کیتک کی جھونپڑی تھی۔

وہ اپنی جھونپڑی کی حدود میں داخل ہوتے قدم دیکھ چکی تھی حالانکہ اسکا چہرہ آنکھوں سے بے نیاز تھا۔ ماتھے تک چوغے کا پلو ڈالے، زیر لب جاپ کرتی، وہ الاؤ کے سامنے بیٹھی تھی۔

"کیا کرنے آئی ہے ؟؟؟؟"

اسکی آواز میں وحشت گھلی ہوئی تھی۔ آنے والی اندر داخل ہو کر اسکے سامنے بیٹھ چکی تھی۔

"تیرے پاس جو بھی آیا، کیا کرنے آیا جادو گرنی ؟؟؟؟"

وہ آہستہ سے ہنسی اور ماتھے سے چوغہ ہٹایا۔ آگ کی لپٹوں کی روشنی میں اسکا چہرہ واضح ہوا۔

"آنکھوں والے وہ دیکھنے آتے ہیں جو بنا آنکھوں کی کیتک دیکھ سکتی ہے"

وہ زرار کی۔

"کیا جاننے آئی ہے ؟؟؟؟"

آنیوالی نے جواب نادیا بلکہ اپنی گود سے کپڑا ہٹایا۔ وہ گلابی سفید وجود کسمسایا تھا۔ کیتک نے پہلو میں پڑا خنجر اسکی طرف بڑھایا تھا۔ اس نے خنجر لیا اور اسکی نوک آہستگی سے ننھے ہاتھ کی چھوٹی سی انگلی میں چھو دی۔ خون کی چند بوندیں نمودار ہوئیں جنہیں اس نے خنجر پہ سمیٹ کر واپس کیتک کی طرف بڑھایا تھا۔ اس بنا آ نکھوں کی جادو گرنی نے خون کی وہ بوندیں آگ کے آلاؤں میں جھٹک دی تھیں۔ آن کی آن میں الاو سے دودھیا سفید روشنی پھوٹ نکلی تھی۔ اس روشنی سے بہت سارے جگنو نکلے اور فضا جھونپڑی کی فضا میں پھیلنے لگے تھے۔ اس نے دیکھا، کیتک دم بخود سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ ساری جھونپڑی جگنوؤں سے بھر چکی تھی اور اب روشنی کے زرے باہر کا سفر کر رہے تھے

"اسکا کیا مطلب ہے ؟؟؟؟ ہیں بوڑھی جادو گرنی ؟؟؟؟ اس سب کا کیا مطلب ہے ؟؟؟؟"

www.urdu novelsmania.com

بوڑھی جادو گرنی دم بخود بیٹھی تھی۔

"اسکا مطلب ہے یہ وہی ہے جو سب سے اوپر ہے۔ مَجک کی خوبصورتی سے، اوشارہ کی روشنیوں سے، میرانہ کے خزانوں سے، ماہاسان کی شان سے، بیشان کی وسعت سے، ان سب سے اوپر۔۔۔۔"

وہ بولتی جا رہی تھی۔ اسکی سامع دم بخود بیٹھی تھی۔

"انسان بھی، ماشر بھی۔۔۔ اندھیرا بھی، اجالا بھی۔۔۔۔۔ زندہ بھی، مردہ

بھی۔۔۔۔۔ زندگی بھی، موت تھی۔۔۔۔۔"

کیٹک کی جھونپڑی روشنی سے بھر چکی تھی۔ ہر طرف جگنو اڑے پھر رہے تھے۔

راجمار عیث کو اب دشمن کی چال سمجھ آنے لگی تھی۔

ماشروں کا منصوبہ یہی تھا کہ ماہسان کی فوج کو اکسایا جائے اور انہیں خود پہ برتر دکھا کر اپنی سر زمین کی طرف لایا جائے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو پہاڑ انکی ڈھال بن جاتے اور وہ آسانی سے جنگ جیت جاتے۔ ان پہاڑوں کو وہ قوم ماہسان کے باشندوں کی نسبت زیادہ اچھے سے سمجھتی تھی۔ وہ وہاں کے چپے چپے کے راز سے واقف تھے۔ اگر میدان جنگ وہ پہاڑیاں بن جاتیں تو پھر وہ جنگ انکے لئیے کوئی مسئلہ نہ رہتی۔

"ہم مزید آگے نہیں جائیں گے"

اس نے با آواز بلند اعلان کیا اور گھوڑے کو روکا۔ جانور ہنہنایا اور اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس کے پیچھے آتے دستے نے اس کی پیروی کی تھی۔

"لیکن کیوں؟؟؟ تمہیں نظر نہیں آ رہا کہ وہ کیسے ڈر کر بھاگ رہے ہیں؟؟؟ اس آفت کو جڑ سے ختم کر دینے کا یہی وقت ہے۔ ہم انہیں ہمیشہ کے لئے تلف کر دیں گے۔۔۔۔"

راجمار عائن کو اس کا فیصلہ پسند نہیں آتا تھا۔ ویسے اس سے تین سال چھوٹے اس کے بھائی کو اس کا کوئی بھی فیصلہ پسند نہیں آتا تھا۔ پہلے تو وہ اس مہم کے فیصلے کے خلاف کھڑا ہوا تھا جب عیث نے اس کی تجویز دی تھی۔ وہ مسلسل مخالفت کرتا رہا تھا۔

"اور تمہیں یہ دکھائی نہیں دے رہا کہ دشمن ایسے اچانک سب کچھ چھوڑ چھاڑا اپنے گھر کو کیوں بھاگ کھڑا ہوا ہے؟؟؟"

"اس لئے کہ انہوں نے ماہاسان کی تلواروں پہ لکھی اپنی موت پڑھ لی ہے"

عیث نے نفی میں سر ہلایا

"نہیں چھوٹے بھائی۔ یہ تلواریں تو ماشر اپنے جنم لینے سے دیکھتے آرہے ہیں۔"

وہ زرار کا

"تم نے دیکھا ہویا نہیں، میں نے انکی نظروں میں اپنی چال پوری ہونے پہ فتح کی مسکراہٹ دیکھ لی ہے"

وہ غصہ ہوا

"جو بھی کہو، میں تمہارے فیصلے کے حق میں نہیں۔ یہ فوج جتنی تمہاری ہے، اتنی میری بھی ہے۔ یہاں فیصلہ میں بھی دے سکتا ہوں اور وہ میں دے رہا ہوں"

اس نے چہرہ سودیکھا۔ گھوڑوں پہ سوار، تلواروں تیروں اور ہتھیاروں سے لیس جوان انکی طرف ہی دیکھ رہے تھے۔

"ہم آگے جائیں گے"

وہ با آواز بلند بولا تھا۔

"ہم اپنے لعین دشمن کو اسکے گھر میں گھس کر ماریں گے۔ آج کا سورج ڈوبے گا تو وہ ڈوبنا مشروں کی غلیظ قوم کا ہمیشہ کے لئے تلف ہونے کی نشانی ہوگا"

کئی ایک نے جوش سے اسکی بات کی طرف داری میں نعرہ لگایا تھا۔ بہت سوں نے اسکی تلوار کے ساتھ اپنی تلواریں فضا میں بلند کر کے پہاڑوں کی اور اشارہ کیا تھا۔

بیشان کا ساحل گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونج اٹھا تھا۔

"یہ بیوقوفی مت کرو"

عمیث کو استہزائیہ نظروں سے دیکھتا وہ گھوڑے کو آگے بڑھنے کا اشارہ کر چکا تھا۔
فوج کا ایک بڑا دستہ اسکی قیادت میں آگے بڑھا تھا۔

گلی ریت پہ دور تک نشان چھپتے چلے گئے تھے۔ بیشان کے سمندر کی لہریں
گھوڑوں کے تعاقب میں تھیں۔ سورج مشرق کی سمت سفر طے کرتا، تھک چکا
تھا۔ عمیث نے ایک لمبا سانس بھرا۔ اسکے مخلص، وہ دستہ جنکے لئے وہ سپہ سالار
تھا، اسکے فیصلے کے منتظر تھے۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ہا ہا کار مچاتی
فوج ماشروں کے پیچھے تھی۔

بادشاہ باثان اسے ہمیشہ کہتے تھے۔

"زندگی میں ہر غلطی کر لینا پر کبھی دشمن پہ اعتبار مت کرنا۔ کبھی اسکی چالاکی کے
سامنے خود کو عقلمند مت سمجھنا۔ تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا اور کب وہ تمہارے
ہاتھ سے فتح چھین کر تمہارے منہ پہ ہار دے ماریں گے۔"

اس نے باپ کی ہر نصیحت کی طرح اسے بھی ہمیشہ یاد رکھا تھا۔ خود کو ہمیشہ طاقتور
سمجھا مگر دشمن کو کبھی کمزور نہیں جانا تھا۔ وہ اگر گھر سے جیت جانے کے لئے نکلا
ہے تو سامنے والا بھی اسی نیت سے آیا ہے۔ اب بھی یہی ہوا تھا۔

ماشروں کی بد معاشیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ سالوں پہلے تو کبھی بکھار ہی انکے ہونے کی خبر ملتی تھی۔ کبھی کوئی لٹا ہوا قافلہ ماہسان پہنچتا اور دربار میں حاضر ہوتا تو انکا ہی حلیہ بتاتا۔

"جانور نما انسان۔۔۔۔۔ پستہ قد۔۔۔ سمجھ میں نا آ نیوالی بولی۔۔۔۔۔ تیز طرار۔۔۔۔۔"

لیکن یہ بہت کم ہوتا تھا۔ سال کے دنوں میں کوئی ایک دن۔ پھر یہ بڑھنے لگا۔ انکے ہاتھوں چوٹ کھائے اکثر ہی دہائیاں دیتے محل تک پہنچنے لگے۔ انکی تعداد پھر سے بڑھنے لگی تھی۔

"آخری باریہ تب ہوا تھا جب میں نے ان کی بستیاں جلا کر راکھ کر دی تھیں، انکی نسل کو عورتوں کے پیٹ میں ہی ختم کر دیا تھا، انکے ٹھکانے کھنڈرات میں بدل کر، انہیں پہاڑوں میں دفن کر دیا تھا۔ اس سب کے بعد یہ پھر سے سراٹھا رہے ہیں تو کچھ تو غیر معمولی ضرور ہو رہا ہے"

سب نے باشاہ باٹان کے حضور اپنی اپنی رائے دی تھی۔ اس سے بھی تجویز مانگی گئی اور اسکی تجویز انکے دل کو لگی۔

سننے میں یہی آیا تھا کہ اب انہوں نے بیشان کے ساحل پہ بستیاں بسالی ہیں۔
 عیث نے فوج کے ساتھ شب خون مارنے کا فیصلہ کیا تھا اور وہ بڑی حد تک اس
 میں کامیاب بھی رہا۔ پریشانی کی بات یہ تھی کہ وہ انہیں اس تعداد میں نہیں ملے تھے
 جتنی تعداد بتائی گئی تھی۔ وہ تو چند تھے جن میں سے اکثر مارے گئے تھے۔ باقی بچ رہ
 جانے والے پہاڑوں کی طرف بھاگے تو اسکا ماتھا ٹھنکا تھا۔

وہ طاقتور تھا لیکن اس نے دشمن کو کمزور نہیں سمجھا تھا۔ وہ گھر سے فتح حاصل
 کرنے آیا تھا تو دشمن یہی سوچ کر کیوں نہیں لڑا تھا؟ تو کیا دشمن کہیں اور تھا؟ تو کیا
 دشمن نے ابھی لڑنا تھا؟ ۹۹۹۹۹

دشمن کمزور نہیں تھا۔

عیث بہت پہلے بھانپ چکا تھا۔ عائن نے جب تک یہ جانا، تب تک دیر ہو چکی
 تھی۔ وہ تو چٹانوں پہ ایک تہہ کی مانند تھے کہ جہاں تک نظر جاتی تھی بس وہی تھے۔
 اس نے دیکھا وہ پہلے جیسے نہیں تھے۔ ویسے تو ہرگز نہیں جیسے انہیں ساحل پہ ملے
 تھے۔ انکے قد دو گنا تھے، جسم چٹان کے ہم رنگ، چٹان کی طرح ہی تھے۔ وہ
 پستہ قد جانوروں کے دھڑہر گز نہیں تھے۔ ان میں سے کسی کی چوہے کی ٹانگیں تھیں

اور ناگدھے سے لاغر دھڑ۔ وہ تو دیو ہیکل انسانوں سے بھی کئی گنا زیادہ طاقتور دکھائی دیتے تھے۔ انہوں نے یہ پتہ نہیں کیسے کیا تھا۔

تیریوں کی بارش نے آسمان کی نیلاہٹ کو دھندلا دیا تھا۔ پہاڑوں پہ اس دیو ہیکل فوج کے پیچھے سورج چھپنے لگا تھا۔ زمین پہ ماہاسان کی فوج کی لاشیں تھوں کی صورت تھیں۔ فضا میں خون کے فوارے تھے۔ بیشان کے پانی لال ہوتے چلے گئے تھے۔

"پیچھے۔۔۔ پیچھے۔۔۔"

گھوڑے بدکنے لگے تھے۔ ماشروں کی ہیبت نے بہادروں کو بزدل بنا دیا تھا۔ اب وہ پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ کر، کسی آبشار کی طرح بستے زمین کی اور آرہے تھے۔ عیث نے باقی بچ رہ جانے والوں کو تیزی سے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا تھا۔

"عائن پیچھے ہٹو۔۔۔ گھر کی طرف۔۔۔ میری بات سنو۔۔۔"

وہ سپہرا ہوا تھا۔ تلوار فضا میں لہراتا وہ انکے آخری فرد تک کو زنج کر دینا چاہتا تھا جنہوں نے اسکی فوج کو لمحوں میں تھس تھس کر ڈالا تھا۔ پیچھے ہٹنے کی بجائے وہ آگے سے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

"عائن۔۔۔"

عمیث کو اسکے پیچھے جانا ہی تھا۔ وہ اسے یہ بیوقوفی کیسے کرنے دیتا۔ وہ اسکے گھوڑے سے کچھ ہی دور تھا جب اس نے پہاڑوں کے پاس اس عورت کو دیکھا تھا۔ بہت سارے ماشروں کے نرغے میں، ایک ڈھال کے پیچھے محفوظ جسکی لمبی لمبی چوٹیاں تھیں اور باقی سب ماشروں کے برعکس وہ اتنی دیوہیکل نہیں تھی۔ سر تا پا سیاہ چوغے میں خود کو چھپائے، وہ تیر کمان ہاتھ میں لئیے نشانہ باندھ چکی تھی۔ اس نے ایک بار پھر سے اپنے چھوٹے بھائی کو آواز دی تھی لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔ اس عورت کے چلائے تیر پہ عائن کا نام ہی لکھا تھا۔

بچے کچھ گھوڑے زخمیوں کو لئیے ماہسان کی فسیلوں پہ پہنچے تھے۔ ان میں سب سے آگے گھوڑے پہ عائن تھا۔

"دروازے کھولو۔۔۔ جلدی کرو۔۔۔"

ماہسان کی وسعتوں میں وہ آوازیں گونج رہی تھیں۔ اس شاہی زخمی کو فوری محل کی طرف لے جایا گیا تھا۔ عمیث پیچھے پیچھے گھوڑے پہ تھا۔

"کیا ہوا میرے بیٹے کو؟؟؟؟؟"

ملکہ بادیہ بھاگتی ہوئی آئی تھیں۔ اسے دیکھا تو تیزی سے اسکی طرف مڑیں اور اسے گریبان سے جکڑ کر جھنجھوڑا لا

"تم نے آخر وہ کر ہی دیا جو تم سالوں سے کرنا چاہ رہے تھے۔ اپنی خود ساختہ جنگ میں میرے بیٹے کو گھسیٹ کر تم اسے موت کے منہ میں لے گئے ہو"

وہ خاموش کھڑا رہ گیا۔ باندیوں کا گروہ افراتفری کے عالم میں اس کمرے کی طرف جا رہا تھا جہاں زخمی راجپوت کو لے جایا گیا تھا۔ لمحوں میں یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی تھی کہ شہزادہ عائن جنگ میں زخمی ہو چکے ہیں۔ طبیعوں کو فوری طلب کر لیا گیا تھا۔

"میرے بیٹے کو کچھ بھی ہوا تو میں تمہارا سراپنہ ہاتھوں سے قلم کروں گی"

ملکہ ----

بادشاہ نے آہستہ مگر تنبیہی لہجے میں کہا تھا۔ بادیہ اسے گھور کر بیٹے کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

"مجھے نہیں پتہ کہ انہوں نے یہ کیسے کیا ہے۔ وہ کیسے تعداد میں اتنے بے تحاشا ہو گئے ہیں۔ پہلے سے کہیں زیادہ طاقتور، بہادر اور جنگجو۔ وہ جانوروں والی کوئی بھی

بات ان میں نہیں رہی ہے۔ میں نے ان میں کوئی گدھا اور چوہا نہیں دیکھا ہے۔ وہ مکمل انسان بن چکے ہیں بادشاہ باٹان"

دربار میں خاموشی پھائی ہوئی تھی۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟"

عمیٹ نے نفی میں گردن ہلائی

"مجھے نہیں پتہ لیکن۔۔۔۔۔ یہ ہو چکا ہے"

بادشاہ سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

"یہ کیتک کا کوئی سحر ہو سکتا ہے؟؟؟؟؟"

کسی وزیر نے کہا تھا

"اسے سالوں سے نہیں دیکھا گیا ہے۔ سب یہی کہتے ہیں نمرود میں اب کوئی نہیں

ہے"

عمیٹ وہ منظر بھول نہیں پارہا تھا۔ وہ سب کسی خواب جیسا تاجب دیکھتے دیکھتے،

اسکے بھائی کے پیٹ میں وہ تیر آگیا تھا۔

"وہ انکے نشانے پہ تھا۔ اسکے دل میں تیر مارا جاسکتا تھا، سر میں یا کسی بھی ایسی جگہ کہ ایک ہی لمحے میں وہ موت کے گھاٹ اتارا جاسکتا تھا۔ پھر بھی اسے تیر پیٹ میں مارا گیا۔ کیوں؟؟؟"

وہ معمہ حل نہیں کر پا رہا تھا۔ دوسری طرف طبیب تھے جو اسکی حالت کو سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ وہ ہوش سے بیگانہ تھا۔ آنکھیں اوپر کو چڑھی ہوئی تھیں۔ ہونٹ نیلے اور جلد جامنی پڑنے لگی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ دو اس پہ بے اثر ہے۔

عائن کی خدمت پہ معمور باندیاں بیمار پڑ چکی تھیں۔ اطلاع تھی کہ انکی حالت بھی راجما ر جیسی ہی ہے۔ وہ بول رہی ہیں ناسن رہی ہیں۔ آنکھیں ہوش سے بیگانہ، نیلاہٹ بھری جلد جس پہ اب جامنی دھبے پڑنے لگے تھے۔

"یہ چھوت کی بیماری جیسا ہے۔ راجما ر کو جو تیر لگا ہے، اس پہ زہر لگایا گیا تھا۔ اسکا مقصد موت نہیں تھا، بیماری تھا۔ مجھے ڈر ہے کہ جو انہیں چھوئے گا، اس بیماری میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ خوش قسمتی سے شاہی گھرانے کے کسی فرد نے انہیں ہاتھ نہیں لگایا ہے"

طیب ابھی تک اپنے کام پہ کمر بستہ تھے۔

"بادشاہ با شان میرا مشورہ ہے کہ ملکہ یا شہزادوں میں سے کوئی بھی انکے نزدیک نا جائے۔ عین ممکن ہے کہ اس بیماری کا اثر انکی جلد سے پھیلتا ہو" ملکہ بادیہ غم سے نڈھال تھیں۔

"کچھ بھی کیجئے، ہر اچھے سے اچھے طبیب کو محل حاضر ہونے کا حکم دیں۔ مجھے میرا شہزادہ پہلے سا صحتیاب چاہیئے"

راجکمار می عاویہ اور راجکمار اعاز بھائی کے لئے الگ پریشان تھے۔ عیث چاہ کر بھی ملکہ کو دلا سے نہیں دے سکتا تھا مگر ان دو چھوٹے بہن بھائیوں کی ہر ممکن دجوئی ضرور کرتا تھا۔

"ہمارے بھائی جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔ آپ دیکھنا، ہم سب پھر سے اوہارہ کی تقریبات سے لطف اندوز ہوں گے۔ میری پیاری شاہ زادی عاویہ، آپ وہ مٹھائی کھائیں گی جو دور سے آنے والے سوداگر اپنے ساتھ لاتے ہیں؟" دنوں پہ دن گزرتے جا رہے تھے لیکن شاہزادے کی حالت بہتر نہیں ہوئی تھی۔ کھال اب جامنی سے سیاہ پڑنے لگی تھی۔ اسے دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا کہ ماس ہڈیاں چھوڑ رہا تھا۔ آنکھیں کھوپڑی میں دھنستی چلی گئیں، گال چپک گئے اور بال جھڑنے لگے۔ طبیب پریشان تھے۔ وہ سب وہ تھے جو اپنی مثال میں بے مثال

تھے۔ ان سب کی دھو میں ہر سوتھیں کہ وہ کئی خطرناک اور بھیانک بیماریوں کا علاج کر چکے تھے، خطرناک سے خطرناک زہر کا بھی توڑ نکال چکے تھے، اس بیماری کے سامنے بے بس نظر آ رہے تھے۔ کئی ایک تو راجمار عائن سے وہ مرض خود کو منتقل کروا چکے تھے۔ ان سب کا حال بھی ویسا ہی تھا جیسا اسکی تیمارداری پہ معمور باندیوں کا تھا۔

محل میں سب پریشان تھے۔ ماہاسان میں اب خوف پھیلنے لگا تھا۔ لوگ ڈر کے مارے بشیان کی طرف رخ بھی نہیں کرتے تھے۔ اس پار سے آنیوالے بیوپاریوں کی بھی سخت جانچ ہونے لگی تھی۔

"سب کے سب نکمے ہیں۔ ایسا کیسے ممکن ہے کہ علم کی کسی کتاب میں ہمارے بیٹے کی بیماری کا علاج ممکن نہیں ہے۔ بادشاہ باثان میں چاہتی ہوں آپ ان سب کو سرعام پھانسی دیدیں" www.urdu novelsmania.com

ملکہ بادیہ کا بس چلتا تو کسی بھی وقت حکم دیتیں اور ماشروں کے قبیلے کی طرف چڑھائی کر دیتیں۔

"وہ جانوروں سی بدتر قوم آج ایسی سرچڑھ آئی ہے کہ معزز خون پہ وار کرنے لگی ہے۔ وہ بھول گئے ہیں کہ انکے باپ دادا کا کیا حال ہوا تھا۔ انکی یہ مجال۔۔۔۔"

اور سب سے زیادہ غصہ انہیں عیث پہ تھا۔ اسکا تو ایسا حشر چاہتی تھیں کہ سارا ماہسان عبرت حاصل کرتا۔

"اس کی اول روز سے یہی خواہش تھی کہ میرے بیٹوں کو راستے سے ہٹا کر خود راجہ بن بیٹھے۔ اسکی نیت کا فتور میں نے بہت پہلے بھانپ لیا تھا۔ یہ وہ سانپ ہے جسے میں نے سالوں دودھ پلایا اور اس نے مجھے ہی ڈس لیا"

"شاہزادے میرے بھائی ہیں ملکہ"

وہ ٹپ کر بولا تھا۔

"وہ بھائی جسے تم نے دشمن کے سامنے کھڑا کر دیا"

وہ انہیں دیکھ کر رہ گیا

"میں ایسا کیا کروں، کیا کروں ملکہ کہ یہ ثابت کر سکوں کہ اپنے بھائی سے محبت کرتا ہوں ؟؟؟؟؟؟"

ملکہ بادیہ نے کڑی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"جاو جا کر میرے بیٹے کی صحتیابی ڈھونڈو۔ جہاں سے ممکن ہو اسکے لیے شفا ڈھونڈ لاؤ۔ یہ تمہیں پتہ ہو کیسے پر جاؤ، شاناب ڈھونڈ لاؤ کہ سب کہتے ہیں کہ اب وہی اس بیماری کا توڑ ہے"

وہ جب چھوٹے تھے تو شاہی آیا انہیں وہ کہانی سنایا کرتی تھیں۔
وہ بادشاہ جس نے اپنی محبوبہ ملکہ کی زندگی بچانے کے لئے اپنی حیات دیوتاؤں کو
دان کر دی تھی۔ وہ اسے شاناب بلاتے تھے۔ وہ کہتے تھے دیوتاؤں نے اس
بادشاہ کو امر کر دیا اور اسے ایک خوبصورت پتھر میں تراش دیا۔ وہ پتھر دکھوں کا توڑ
بن گیا۔

وہ بڑا ہوا تو شاناب سے جڑی اور کئی کہانیاں تھیں۔ کچھ کہتے تھے وہ پتھر اصل میں
ایک ستارہ ہے جو باث کے موسم میں آسمان پہ طلوع ہوتا ہے۔ کچھ کا ماننا تھا کہ
وہ پتھر اصل میں ایک ہیرہ ہے جو دنیا کے آخری کنارے ایک دلدل میں پوشیدہ
ہے۔ ایک کہانی یہ کہتی تھی کہ شاناب کوئی طلسم ہے جو اشارہ کے سادھوؤں کو
ہی معلوم ہے۔
www.urdu novels mania.com

"میں تو یہ کہوں گا کہ یہ سب فرضی من گھڑت کہانیاں ہیں۔ اس جہان میں کوئی شے
ایسی نہیں ہے جو موت کو شکست دے سکے میرے بچے"

بادشاہ باشان نے اسے کہا تھا۔ وہ رنجیدہ سا باغچے میں ٹہل رہا تھا۔ وہ اسکی پریشانی
بھانپ گئے تھے۔

"آپ جانتے ہیں میں شاہزادے سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ اور یہ بھی کہ میں انکی زندگی اور صحت کے لئے کسی بھی حد تک جاسکتا ہوں۔ شاناب اگر انکی بیماری کا علاج ہے، اس زہر کا توڑ ہے، موت کو شکست دینے کا طلسم ہے تو میں اسے حاصل کرنے اور اشارہ ضرور جاؤں گا۔ اور اگر وہاں جا کر معلوم ہوا کہ شاناب باث کے موسم میں آسمان کا کوئی تارہ ہے تو مجھے ماہسان کی قسم ہے بادشاہ باثان، میں اسے بھی اپنے بھائی کے لئے لیکر آؤں گا"

اس نے ہر ساتھی کے ساتھ کو منع کر دیا تھا۔ راجکمار بس اسکا بھائی تھا اور بس اسکی ذمہ داری تھا۔ ماہسان کے لئے وہ بھلے سوتیلا تھا، ملکہ نے بھلے کبھی اسے اپنا نہیں مانا تھا لیکن اسکے لئے سب کچھ وہی تھا۔

"اس سفر کے لئے مجھے کوئی نصیحت کریں گے؟"

وہ اس شام دیر تک راجکمار عائن کے کمرے کی دہلیز پہ کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا۔ دنوں میں سوکھ کر اسکا بدن کسی لاغر جانور جیسا دکھائی دیتا تھا۔ وہ کسی صورت زندگی کی طرف لوٹنا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"میں بس یہ کہوں گا کہ مجھے اس کی زندگی کے ساتھ ساتھ تمہاری زندگی کی سلامتی کی بھی خواہش ہے۔ میرے لیے تم دونوں ایک برابر ہو میرے بچے"

ماہاسان پہ وہ وہ شام بڑے وقار کے ساتھ نازل ہوئی تھی۔ آسمان میں گلابی نارنجی اور زرد دبلیاں تیر رہی تھیں۔ شہر کی اونچی فصیلیں شان سے اپنی بنیادوں پر ایستادہ دور پہاڑوں کو تکتی تھیں۔

"جب کی خوبصورتیوں کو خود پہ حاوی مت ہونے دینا۔ اس شہر نے بہت سوں کو دیوانہ بنا کر برباد کر دیا، اس شہر کے حسن کو دل مت دے بیٹھنا"

وہ گھوڑے پہ سوار ماہاسان سے نکل آیا تھا۔

"اور تشیان کی مکاری سے بچ کر رہنا۔ اسکی کسی پہیلی میں الجھ کر نمرج کے کھنڈرات میں تبدیل مت ہو جانا۔۔۔۔"

اسکا سفر شروع ہو چکا تھا۔ وہ ایک مہم جو ایک امید کی تلاش میں تھی۔ ایک سفر جسکی منزل اسکے عزیز ازجان کی زندگی تھی۔

"اوشارہ کی روشنیاں تمہاری آنکھیں چکا چوندنا کر سکیں۔ اور میری نصیحت ہے ورداس کی وادی کے نزدیک بھی مت جانا۔ وہاں موت کے دیوتاؤں کی پیاس

تمہارے خون سے بجھنی نہیں چاہیے۔ اور ہاں، میرا نہ کے خزانوں سے ہمارا کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ اس پہرے دار کو ہر گز اپنا دشمن، اپنا دوست مت بنانا۔
دور سورج غروب ہو رہا تھا۔ بشیان کی سمت سے آتی گیلی ٹھنڈی ہوا بدن سے ٹکرا رہی تھی۔ ماہاسان اس سے دور ہوتا جا رہا تھا۔

باب دوم: فوج

گھنے درختوں کے بیچ بنی وہ پگڈنڈی گھوڑے کے ٹاپوؤں کی آواز سے گونج رہی تھی۔ جنگل میں دور دور اسی آواز کی بازگشت تھی۔ راجکمار عیث گھوڑے پہ سوار، اس راستے کا اختتام دیکھ سکتا تھا۔ جنگل کا وہ آخری کنارہ جس کے اس پار فوج تھا۔

پھولوں کی سرزمین۔۔۔۔۔ خوشبوؤں کی دھرتی۔۔۔۔۔ حسن کے دیوتاؤں کا مسکن۔۔۔۔۔ رسیلے پھلوں کا دیس۔۔۔۔۔ خوش الحان پرندوں کا گھونسلہ۔۔۔۔۔ دنیا کی سب سے حسین جگہ۔۔۔۔۔ دنیا کی سب سے دلکش ریاست۔۔۔۔۔

اس سرزمین کی داخلی حد پہ عیث نے گھوڑے کی طنابیں کھینچ دی تھیں۔ ایک لمبا سانس لیکر اس نے آنکھیں موند لیں۔

وہ سچ کہتے تھے کہ فُجک کی خوشبو بس فُجک میں ہی ملتی ہے۔ اس جیسی باس اس نے دنیا کے کسی اور کونے میں محسوس نہیں کی تھی۔ اتنے بے تحاشا طویل سفر کی ساری تھکان اس ایک مہک نے مٹا ڈالی تھی۔ اس نے عمدہ سے عمدہ عطر بھی ایسے مسحور کن نہیں پائے تھے۔

وہ راستہ نیچے گھاٹی میں جاتا تھا۔ اس میدان میں سے ہوتے ہوئے جس میں دور تک پھولوں کی جھاڑیاں تھیں۔ عنبی، زرد، جامنی اور گلابی پھولوں کے گچھے آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ پھولوں پہ ان سے دو گنا تتلیوں کے جھنڈ تھے۔ سیاہ دانوں والے سبز اور نیلے پروں کی تتلیاں جو گلابی پڑتے آسمان کے نیچے جمع تھیں۔ میدان کے نیچوں پگڈنڈی پہ گھوڑا دوڑاتا وہ سامنے مغرب کی اور شہر کی سمت بڑھتا جا رہا تھا۔ شہر جس کے اس پار سورج غروب ہو چکا تھا۔ شفق پہ گلابی سی لالی چھائی ہوئی تھی۔ پرندوں کے غول کے غول اس آسمان کے غربال میں تیر رہے تھے۔ وہ شہر بانہیں والکئیے ماہسان کے راجکار کے استقبال کو تیار تھا۔

رات کو قیام کی خواہش اسے وہاں لے آئی تھی۔

وہ ایک خوبصورت سرائے تھی جو اس باغیچے کے دوسرے کونے میں بنائی گئی تھی۔ انگوروں کی بیلوں سے ڈھکی، گہرے جامنی پھلوں کے خوشوں سے سچی، لکڑی کی چار دیواری جسکے اس پار مسافروں کے لئیے نرم بستر اور گرم لحاف موجود تھے۔ داخلی ہال میں چل پھل تھی۔ دن بھر کے تھکے ہارے فک کے باشندے، بیوپاری، سوداگر اپنے دوستوں یا روں کے ساتھ پیٹ پوجا میں مصروف، خوش گپیوں میں مگن تھے۔

"ایک اچھا سا کھانا اور آرام دہ بستر"

سکوں کی تھیلی اس پستہ قد انسان کے سامنے رکھ کر، راجکار عیث ایک کونے والی میز پر جا بیٹھا تھا۔ ذہن سے سفر کی تھکان اتری تو سوچوں نے ماہسان کا رخ کیا۔ "جانے راجکار کس حالت میں ہوں گے۔۔۔ دیوتا ٹرسان ہماری مدد کریں اور

ہم اس بیماری کا علاج ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جائیں"

اسکے سامنے بھاپ اٹھاتی رکابی رکھی گئی اور ساتھ مشروب۔ اب اسے بھوک لگنے لگی تھی۔ کھانا انتہائی لذیذ تھا۔ اس نے مشروب ابھی اٹھایا ہی تھا کہ داخلی

دروازے سے وہ جوش سے شور مچاتا گروہ اندر داخل ہوا۔ بہت سے لوگوں نے جوش سے پکارا اور ادب سے کھڑے ہوئے

"شہزادے آئے ہیں۔۔۔۔ خوش آمدید راجکمار یام"

عمیث نے اس نکھری سے رنگت والے راجکمار کو دیکھا جو اپنے دوستوں کے جھرمٹ میں مسکرا رہا تھا۔ سرانے کا مالک جلدی سے انکی طرف بڑھا۔

"بیٹھ جائیے۔۔۔ مزے کیجئے۔۔۔ فک کی سرزمین ہمارے ہوتے محفوظ

ہے۔۔۔ ہم سب اسکے محافظ ہیں اور ہم ہر گز اسے باہر والوں کے سپرد نہیں کریں گے۔۔۔۔"

سامعین نے حوش سے اسکی بات کی تائید کی تھی۔

"وہ چارچھ گھس پیٹھے ہوں یا باغیوں کی ٹولی، ہم فک کی طرف اٹھنے والی ہر میلی آنکھ کو اندھا کر دیں گے۔ فک ہمارے باپ دادا کا تھا، فک ہمارا ہے اور یہ بس ہماری نسلوں کا ہی رہے گا"

عمیث نے جام منہ سے لگا لیا تھا۔ پھلوں کی مسحور کن خوشبو اسکے حلق میں گھلنے لگی تھی۔ راجکمار یام اور اسکے ساتھی اسکے بغل والی میز تک پہنچ چکے تھے۔

"فوسا۔۔۔ ہمارے اور ہمارے دوستوں کے لئے تمہارا خاص جام ہو جائے"

مالک خوشی خوشی اسکے حکم کی تعمیل کے لئے چل دیا تھا۔ راجکمار کے دوست کرسیاں گھسیٹ رہے تھے جب بیٹھتے بیٹھتے شہزادے کی نظر عیث پہ پڑی تھی۔ اسکی آنکھوں میں وہ روشنی سی کوندی تھی۔

"راجکمار عیث"

وہ اسکی طرف بڑھا اور اسکی میز کے پاس کھڑے ہو کر اسے دیکھنے لگا "یہ وہ آخری چیز ہے جسکی میں آج کے دن امید کر سکتا ہوں۔ بنیاد کے جنگلوں سے باغیوں کی ایک ٹولی فوج پہ حملہ کرے گی اور فوج کے بہادر جوان انہیں لمحوں میں تلف کر دیں گے، یہ سوچا جاسکتا تھا لیکن راجکمار عیث ہمارے گھر آئیں گے۔۔۔۔۔ نہیں نہیں یہ ہمیں گمان تک نہیں تھا"

عیث خاموش بیٹھا، جام کے گھونٹ بھرتا رہا تھا۔ اس مشروب میں کڑواہٹ تھی اور ناہی سامنے کھڑے شہزادے کے لہجے میں، وہ سمجھ نہیں پایا کہ پھر وہ تلخی کیوں محسوس کر رہا تھا۔

"ایک شہزادے کے لئے میزبان محل والوں کو بننا چاہیے۔ ماہاسان کے معزز راجکمار کے شایانِ شان یہ سرائے نہیں ہے"

اب سب پر تجسس نظروں سے اسے دیکھتے، دبی دبی سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے تھے۔ عیث نے جام رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں بس ایک رات کے لئے فُجک میں رکا ہوں، صبح ہوتے ہی مجھے اپنا سفر واپس شروع کرنا ہے۔ آپکا بہت شکریہ شہزادے لیکن میں یہیں ٹھیک ہوں۔۔۔۔"

یام مسکرایا

"بات ایک رات کی نہیں ہے شہزادے، بات فُجک کی ہے۔ آپکو کیا لگتا ہے اس شہر کو دنیا کا سب سے حسین خطہ کیوں کہتے ہیں؟؟؟؟ یہ صرف پھول پتیوں کی وجہ سے نہیں ہے، ہمارا احسن ہماری مہمان نوازی بھی ہے۔ آپ بھلے ہمارے دوست ناسی، پر ہمارے مہمان ہیں۔۔۔۔۔"

وہ کہہ کر رکا اور پھر با آواز بلند اعلان کیا۔

"ہم باقی کا جشن محل میں اپنے مہمان کے ساتھ منائیں گے۔ اور ہم جام بھی انہی کے ساتھ محل میں پیئیں گے"

فُجک کے راجا کا محل اتنا ہی خوبصورت ہونا چاہیے تھا جتنا وہ اس رات دکھائی دے رہا تھا۔ گلابی روشنیاں شمع دانوں سے آزاد ہو کر نظروں میں اترتی آنکھیں خیرہ کرتی

تھیں۔ محل کی داخلی دہلیز کے سامنے پانی کی جھیل تھی جس میں تیرتے پانی پہ جگنوؤں کے رتھ محو پرواز تھے۔ باغیچے سے آتی ہوا میں اس گلابی پھل کی باس رچی ہوئی تھی جو بس فُجک میں پیدا ہوتا تھا۔

"راجکمار عیث۔۔۔ خوش آمدید"

محل میں معمول سے زیادہ چہل پہل تھی۔ باندیاں یہاں سے وہاں کاموں میں مصروف تھیں۔ شاہی خاندان کے افراد کھانے کی اس میز پہ جمع تھے جسکی بے پناہ وسعت کو انواع و اقسام کے کھانوں سے پُر کیا گیا تھا۔ راجکمار یام اسے لئیے اسی ہال میں داخل ہوا تھا۔

"فُجک کے راجا عمن کے لئے دیوتا فحان کی سبھی نعمتوں کی دعا کرتا ہوں"

وہ راجا کو دیکھ کر سینے پہ ہاتھ رکھ، گردن کو ہلکے سے خم دیکر ادب سے بولا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہوئے اور آگے بڑھ کر تپاک سے اسے گلے لگایا تھا۔

"دیوتا فحان نے ہمیں فُجک سوئپ دیا، اب اسکے بعد ہمیں اور کیا چاہیے ماہاسان کے شہزادے"

وہ اسے لئیے میز کی اور بڑھے تھے۔

"راجمار عیث، بادشاہ باثان کے بڑے بیٹے اور ماہاسان کے تخت کے وارث۔ دیوی ترشنہ انکی عمر دراز کرے اور ہم انہیں ماہاسان پہ راج کرتا دیکھیں"

پھر وہ اسکی طرف مڑے

"میں اپنے خاندان اور تمام فوج کی طرف سے آپکو خوش آمدید کہتا ہوں اور سوئمبر کے مقابلے لئیے میری طرف سے نیک تمنائیں بھی ہیں"

"سوئمبر؟"

بادشاہ باثان نے بہت پہلے اسے فوج سے آئے اس دعوت نامے کے بارے میں بتایا ضرور تھا لیکن وہ سوئمبر میں شرکت کے لئیے تھا، یہ اسے نہیں پتہ تھا۔ راجمار می یسنا کے لئیے ہر ریاست کے شہزادے کو سوئمبر میں شرکت کے لئیے فوج بلایا گیا تھا۔ وہ شاہی مقابلہ جو ایک دن کے بعد منعقد ہونا تھا۔

"معاف کیجئے گا راجہ لیکن میرا فوج آنے کا مقصد یہ نہیں ہے۔ بلکہ میرے مقصد میں فوج شامل نہیں تھا۔ اگر جو میں دن ڈھلے اس ریاست سے ناگزرتا تو شاید قیام کے لئیے بھی نہیں رکتا۔ میں جس مہم پہ ہوں وہاں میرے لئیے ایک ایک لمحہ اہم ہے"

اس نے راجا کو سارا قصہ کہہ ڈالا تھا۔ انہوں نے ساری کتھاسن کر گہری سانس بھری تھی۔

"سوئمبر میں ناسی، آپ فحک تو آئے اور اسی لئے آپ ہمارے مہمان ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ مقابلے تک یہاں رکھیں، بیشک اسکے بعد روانہ ہو جائیے گا۔ بلکہ ہم چاہیں گے کہ اس سفر میں فحک کی میزبانی آپ کے ساتھ روانہ کریں"

وہ شش و پنج میں تھا۔ اس شہر میں قیام اسکے بھائی کی تکلیف میں طوالت کی وجہ بن سکتا تھا۔

"ہو سکتا ہے مختلف ریاستوں سے آئے، بھانت بھانت کی بولیوں اور کہانیوں میں کوئی کہانی سچے شاناب کے بارے میں بھی مل جائے"

www.urduNovelsMania.com

نیلے امبر میں سفید بدلیوں کے رتھ یہاں وہاں تیرتے پھر رہے تھے۔ راجکمار عیث نے دریچے سے دیکھا۔ محل کے داخلی راستے سے وہ قافلہ اندر آ رہا تھا۔ سوئمبر میں شرکت کے لئے دیس بدیس سے جوان، شہزائے اور راجہ محل کا رخ کر

رہے تھے۔ وہ اس قافلے کے سردار کو پہچانتا تھا۔ بیشان کے اُس پار کی سلطنت کے اس راجکمار نے کچھ ہی دیر پہلے اپنے بھائی کو شکست دیکر تخت حاصل کیا تھا۔ وہ خوش شکل، بہادر اور ہمت والا تھا۔ بلاشبہ فوج کی اس راجکمار کی لئیے وہ ایک اچھا جوڑ تھا۔

"راجکمار حاصل"

نقارہ پیٹا جا رہا تھا۔ بانگچے کے آسمان پہ خوش رنگ پروں والے بہت سے پرندے آزاد کئیے گئے تھے۔ نیلے آسمان میں رنگ ہی رنگ بکھرنے لگے تھے۔ عیث سب رنگوں کی خوشبوؤں کو آپس میں گھلتا محسوس کر سکتا تھا۔ وہ چہل قدمی کے لئیے نکلا جب اسے راجکمار یام ملا تھا۔

"مجھے یاد پڑتا ہے ہم کبھی دوست نہیں رہے شہزادے۔ آپکے والد نے میرا جیسا استقبال کیا مجھے اسی کی توقع کی تھی مگر آپ سے۔۔۔۔۔ میں اس سب کو کیا سمجھوں؟؟؟"

وہ ہنس پڑا

"میں نے تم سے کل بھی کہا تھا عیث۔ فوج والے ہر روپ سے خوبصورت لوگ ہیں۔"

راجکمار یام سے ماضی میں جتنی ملاقاتیں ہوئی تھیں، جتنا ساتھ رہا تھا، وہ ایسا ہرگز نہیں تھا کہ وہ اسے اپنا میمان بنا کر محل تک لے آتا۔ بادشاہ کی بات اور تھی، شہزادے کے لئے وہ ہمیشہ ایک مقابلہ رہا تھا۔ پھر وہ تعلیمی میدان ہو یا شکار کا میدان، میدان جنگ ہو یا کوئی جشن، ان دو شہزادوں کی کبھی نہیں بنی تھی۔ کبھی ماہاسان کے راجکمار کومات ملتی اور کبھی فُجک کے شہزادے کو، اوریوں یہ سب جاری رہا تھا۔

"ماہاسان والوں کو تو ماشروں نے ہی ناکوں چنے چوار کھے ہیں۔ یہ ان سے سنبھلیں تو کچھ اور سوچیں"

طنز میں ڈوبے جملوں نے اس رسیلے پھل کی ساری چاشنی سلب کر لی تھی۔ راجکمار عیث نے مڑ کر دیکھا۔ بیشان کے دوسرے بار سے آیا شہزادہ چہرے پہ کھارے پانیوں سے مسکراہٹ سجائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"راجکمار بھی سو نمبر کے لئے فُجک آئے ہیں؟"

وہ کوئی اور تھا جو عیث سے پوچھ رہا تھا۔ اس نے ہولے سے نفی میں سر ہلایا۔ راجکمار حصل پھر سے ہنسا تھا۔

"ماہاسان کے شہزادے ماشروں کو توہرا نہیں سکے، سو نمبر کا یہ مقابلہ تو بہت دور کی بات ہے"

وہ طنزیہ ہنسی ہنساتھا۔ اسکے ساتھی بھی کھلکھلائے تھے۔ عیث نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہم سے مقابلہ کرنے کا سوچئیے گا بھی مت شہزادے۔ بعد میں یہ سوچ، سوچ کر بھی آپ شرمندہ ہوتے رہیں گے"

وہ دن فُجک کے حسن کے نام رہا تھا۔

راجا کے اصرار پر وہ شاہی قافلے کے ساتھ، دوسرے مہمانوں کے گروہ کے ہمراہ فُجک کے باغیچوں کی سیر کو نکلا تھا۔ اس شہر کی اونچی میناریں، دلکش نظارے، انواع و اقسام کے کھانوں سے سجی سرائے، نوادرات سے بھرے بازار، نیز ہر شے بے مثال تھی۔

شام ڈھلے وہ محل کے پائیں باغ میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ سو نمبر کا مقابلہ کل منعقد ہونا تھا اور اس نے سوچ رکھا تھا کہ مقابلے کا جشن ختم ہوتے ہی اپنے سفر پہ روانہ ہو لے گا۔ یونہی سوچتے ہوئے، ٹہلتے ٹہلتے آہٹ پہ چونک کر اس نے دیکھا۔

شہزادی یسنا اسی کی طرف بڑھتی آرہی تھی۔ ہاتھ سینے پہ رکھ عیث نے سرگردن کو خم دیا تھا۔

"راجکماری"

مُج کا حسن اگر بے نظیر تھا، اسکی مثال کسی ریاست، کسی شہر سے نہیں دی جا سکتی تھی تو اسکی شہزادی کو ویسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ اسکی رنگت میں انی گلابی پنکھڑیوں کی دمک دکھائی دی جانا چاہیے تھی جن پہ تتلیوں کے جھنڈ منڈلاتے تھے۔ اور وہ آنکھیں کسی شام پہ اوڑھی سیاہ رات کی چادر جیسی ہی ہونا چاہیے تھیں جس میں چاندی کے زرے ٹمٹماتے تھے۔ اور اسکی آواز بھی باغ میں گیت گاتے خوش الحان پرندوں جیسی ہونی چاہیے تھی جو خوشی کے گیت گاتے تھے۔

"ہمیں خوشی ہے کہ ہمیں ماہاسان کے راجکمار کی مہمان نوازی کا شرف حاصل ہوا ہے"

"یہ میری بھی خوش قسمتی ہے شہزادی کہ آپکی زندگی کے اس اہم موقع کا جشن منانے کے لیے میں بھی یہاں موجود ہوں"

وہ ٹہلتے ٹہلتے اس جھیل کے پاس پہنچ گئے تھے جسکے شفاف پانیوں میں کنول تیر رہے تھے۔

"امید ہے یہ مقابلہ آپکے لئے ایک بہترین جیون ساتھی منتخب کرے گا"
فج کی وہ حسین راجکاری اداسی سے مسکرائی تھی۔

"اور اگر میں کہوں کہ ایسا نہیں ہوگا؟"

وہ ٹھٹھک کر رہ گیا

"آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں؟؟؟؟؟"

"راجکار کل کے مقابلے کے لئے آئے سبھی شہزادوں سے آپ واقف ہیں۔
آپ اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کر بتائیے، ان میں سے کوئی بھی اس قابل ہے کہ اسکے
ساتھ ساری زندگی گزاری جاسکے؟؟؟؟؟"

راجکار عیث نے رک کر اسے بغور دیکھا۔ ان آنکھوں کی جھیل میں پریشانی کے
کنول تیر رہے تھے۔

"یہ سیاست ہے شہزادے۔ آپ بھی جانتے ہیں اسکا مطلب کیا ہے۔ سو نمبر
کوئی بھی جیت لے، فتح در حقیقت ہمارے والد کی ہی ہوگی۔ فج کو کسی شے کی کمی
ہرگز نہیں ہے لیکن اسکے باوجود ایک شہزادی کسی سودے کے بغیر رخصت نہیں
کیا جائے گا۔۔۔ اور یہ ہمیں گوارا نہیں ہے"

حسن پریشان ہو تو دل پہ اثر کرتا ہے۔ راجکمار عیث نے اپنے دل کو اس شہزادی کی اور ہمکنہ پایا تھا۔

"ہم کسی مقابلے کا انعام ہو سکتے ہیں لیکن کوئی سودا نہیں۔ ہم برائے فروخت نہیں ہیں کہ فحک کے بازار میں نوادرات کی طرح بیچ دیئے جائیں۔ ہمیں کوئی جیت لے تو ہمارا کوئی مول نہیں۔ پر ہماری قیمت وصول کی جائے تو یہ ساری ریاستیں بھی اس قابل نہیں۔۔۔۔۔"

وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہمیں آپ کی مدد درکار ہے"

رات کا آسمان خاموش تھا۔

دور کہیں کوئی بڑی سریلی آواز میں میٹھے گیت گارہا تھا۔ اسکی شیریں آواز کی چاشنی جنگوؤں کی پیٹھ پہ سوار ہوا میں بکھری ہوئی تھی۔ آگ کے اس الاؤ سے اٹھتی چنگاریاں بھی اسی ہوا میں تحلیل ہوتی جا رہی تھیں۔ لکڑیوں کی آگ میں چٹھنے کی آوازیں سنگیت کے ساتھ مل کر سماعتوں تک پہنچ رہی تھیں۔

راجکمار عیث خیالوں میں ڈوبا الاؤ کے پاس بیٹھا تھا۔

"آپ کسی بیمار کے لئے شفا ڈھونڈنے کی غرض سے اس سفر پہ نکلے ہیں۔ کیا آپ ہر بیمار کے دکھوں کا مداوا نہیں کریں گے؟؟؟؟؟ کیا ہر پریشان کی پریشانی کا حل نہیں نکالیں گے؟؟؟؟؟"

دور محل کی روشنیاں ویسے ہی تھیں۔ اندر ہال میں جشن کا سماں تھا۔ من لے شہزادے، شہزادیاں، جوڑوں کی شکل میں رقص کر رہے تھے۔ فضا میں ہنسی اور قہقہے بکھرے ہوئے تھے۔ جام مشروبات سے لبالب تھے۔ میزیں انواع و اقسام کے کھانوں سے بھری ہوئی تھیں۔

"آپ میرے لئے اس سوئمرب میں شرکت کریں۔ میں چاہتی ہوں آپ مجھے جیت لیں۔ ان سب کو ہر اکرجو اس مقابلے کی آڑ میں میری قیمت لئے اس شہر میں آئے ہیں"

راجپارمی یسنادا اس سی بستر پہ لیٹی ہوئی تھی۔ کل کا دن اسکی قسمت میں جانے کیا طوفان لانے والا تھا۔

"اور اگر میں ہار گیا؟؟؟؟؟"

"ماہاسان والے کہاں کسی سے ہارتے ہیں۔۔۔۔"

"وہ کہتے ہیں ہم ماشروں سے ہار گئے ہیں"

"کیا واقعی آپ ماشروں سے ہار گئے ہیں؟ کیا جنگ ابھی جاری نہیں ہے؟ کیا آپ فتح کے لئے ہی اس سفر پہ نہیں نکلے ہیں؟؟؟ انکی دی بیماری کا توڑ ڈھونڈ لینے تک، انکے کئی گھائل کی آخری سانس تک یہ جنگ جاری نہیں ہے؟؟؟؟؟"

"اور اگر میں بھی قیمت دیکر خریدنے والوں میں سے نکلا تو؟؟؟؟؟"

"نہیں۔۔۔۔ ہمیں معلوم ہے آپ سوداگر نہیں ہیں"

اس شام اس نے فک کے اس مجسم حسن کو بہت دیر تک دیکھا تھا۔ گلابی پوشاک میں شاہزادی التجاء بھری نظروں سے اسے دیکھتی تھی۔ کیا اسی حسن کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ دیوانہ کر دیتا ہے؟؟؟؟؟

شاہی باغ کے عقب میں واقع اس میدان میں تخت سجایا گیا تھا۔ شامیانے جن پہ پھولوں کی بیلوں سے آرائش کی گئی تھی۔ فک کے راجہ اور رانی اپنے خاندان کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔ تمام مہمانوں کے لئے بھی سامنے نشستیں سجائی گئی تھیں۔

خوب گہما گہمی کا سماں تھا۔ کچھ ہی دیر میں سونمبر کا باقاعدہ آغاز ہونے والا تھا۔

"فج کی اس خوبصورت دھرتی پہ سبھی مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ دور پار کی ریاستوں سے آئے سبھی راجہ اور راجکماروں کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان سب کے لئے دعا کرتے ہیں جو شہزادی یُسنا کے ساتھ کے لئے خواہش مند ہیں"

سوئمبہر میں شریک راجکماروں کے نام پکارے جانے لگے تھے۔ وہ باری باری اپنی نشست سے اٹھتے اور بادشاہ کے سامنے سر کو خم دیتے تھے۔

راجکمار عیث نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ شہزادی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ نگاہیں جن میں ایک امید کی لوٹمٹما رہی تھی۔ راجکمار نے گہری سانس لی۔ آخری نام پکارا راجچکا تو اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وقار سے چلتا ہوا وہ شاہی خاندان کے شامیانے تک پہنچا اور سینے پہ ہاتھ رکھ کر گردن کو خم دیا۔

"میں راجکمار عیث، راجا عمن کی خدمت میں ماہاسان کی طرف سے اس سوئمبہر میں شرکت کی خواہش پیش کرتا ہوں۔ اسے قبول کریں اور میری شہزادی یُسنا کے ساتھ کی خواہش کو ایک موقع دیں کہ دوسرے شہزادوں کے ساتھ میں بھی اپنی قابلیت دکھا سکوں"

عوام میں چہ میگوئیاں شروع ہو چکی تھیں۔ راجہ گہری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس نے دیکھا شہزادہ یام اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"میں راجکمار عیث کی خواہش کا احترام کرتا ہوں اور راجہ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ ماہسان کی طرف سے اس خواہش کی تکمیل کریں گے"

راجہ نے آہستگی سے سر کو اثبات میں ہلایا تھا۔

فضا میں بہت سے رنگ گھلنے لگے تھے۔ کئی ایک پرندوں کے غول ہوا میں آزاد کئیے گئے تھے۔ راجکمار عیث تعظیم میں جھکا اپنی نشست کی طرف پلٹ گیا تھا۔

مڑنے سے زرا پہلے اس نے ایک نظر شہزادی کو دیکھا تھا۔ اسے لگا اس نے فک بنا خواہش کے پایا ہے۔

مقابلے کی شروعات ہو چکی تھی۔

ہر شہزادہ اپنی قابلیت کے جوہر دکھانے کے لیے میدان میں اتر آیا تھا۔ شہزادی نے مقابلے کے لیے تیر اندازی کو منتخب کیا تھا۔ وہ مقابلہ شروع ہوا اور بہترین تیر انداز بیچ رہ گئے تھے۔ دوسرا انتخاب راجکمار یام نے کرنا تھا اور اس نے گھڑ سواری کو چننا تھا۔ اس مقابلے کے اختتام پہ بیچ رہ جانے والوں کا آخری امتحان راجہ نے لینا تھا۔ ذہنی آزمائش جس میں کھرا اترنے والے شہزادے کو راجکمار ی کا ساتھ نصیب ہونا تھا۔

وہ دن اپنی رفتار سے طے ہوتا رہا تھا۔ فحج کی سر زمین خوشی کے نقارے سے دھڑکتی رہی تھی۔ سارا شہر سنسان تھا اور عوام کا ہجوم مقابلہ گاہ میں جمع تھے۔ جوش بھری آوازیں، تالیاں اور شور۔ ہمت دلاتے جملے، شہزادی کے لئے بہترین کی دعائیں اور دیوتاؤں کی مناجات۔

وہ آخری مقابلہ جسے کسی ایک فاتح کا انتخاب کرنا تھا طویل ہوتا گیا مگر کوئی ایک فاتح مقرر نہیں ہو سکا تھا۔

راجمار عیث اور راجمار حاصل۔

وہ کسی صورت ایک دو جے سے کم نہیں تھے۔ یوں لگتا تھا ان میں سے کوئی ہارنے کے لئے وہاں آیا ہی نہیں ہے۔ انکی آزمائش لیتے راجہ بھی تھکنے لگے تھے جب عیث نے وہ اعلان کیا تھا

"فحج کے راجہ کے حضور اس مقابلے کے آخری فیصلے کے لئے میں تجویز دیتا ہوں"

اس نے چہار سودیکھا اور با آواز بلند بولا

"میں راجکار عیث، ماہاسان کی عظیم سلطنت کی طرف سے اپنے مقابل کو لڑائی کی دعوت دیتا ہوں۔ فُج کے اس میدان کی جنگ جو اپنے نام کرے گا، اس سو نمبر چکا فاتح ہوگا"

راجکار اصل مسکرایا تھا۔

"مجھے منظور ہے"

"ہم ماہاسان والوں کے لئے جو ہمارا دشمن نہیں ہے وہ ہمارا دوست ہے۔ میرے لئے یہ جنگ نہیں ہے اور تم میرے دشمن نہیں ہو دوست"

وہ میدان میں آئے سامنے تھے۔ ان پہ فُج کا نیلا آسمان تنا تھا اور قدموں تک دھرتی جو حسن کو جنم دینے کے لئے تخلیق کی گئی تھی۔

"ہمارے ہاں ایسا نہیں مانا جاتا شہزادے۔ جو ہمارا دوست نہیں ہے وہ ہمارے لئے دشمن ہے اور تم میرے دوست نہیں ہو"

نقارہ پیٹا جانے لگا تھا۔ وہ لڑائی شروع ہونے کا اعلان تھا۔ شہزادے اصل نے کمان سے تلوار کھینچی اور اسکی طرف لپکا تھا۔ ہر آنکھ پھیلتی چلی گئی اور ہر دل ایک ثانیہ کو تھم سا گیا تھا۔ وہ انتہائی دلچسپ ہونے والا تھا۔ اور وہ شہزادی جسکے لئے

یہ لڑائی لڑی جا رہی تھی، دور اپنے خاندان کے درمیان دم بخود بیٹھی تھی۔ اسے کل رات ہوئی شہزادے عیث کی وہ بات یاد تھی جب وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

"آپکو کیوں لگتا ہے شہزادی کہ ہم یہ مقابلہ جیت جائیں گے ؟؟؟؟"

"ہمیں ہمارے بھائی نے بتایا تھا کہ شروع کے میلے میں منعقد ہونے والے مقابلے میں کیا ہوا تھا۔ ہمارا بھائی کم ظرف انسان نہیں ہے راجکمار، وہ جس فخر سے اپنی فتح کے قصے سنایا کرتا ہے، ویسے ہی اپنی ہار کی داستانیں بھی بتاتا ہے۔ اس نے ہمیں بتایا تھا کہ کیسے ماہاسان سے آئے ایک راجکمار نے اسے لمحوں میں چت کر ڈالا تھا۔"

فجک کی وہ خوبصورت شہزادی سانس روکے وہ مقابلہ دیکھ رہی تھی۔

"جو انسان ہمارے بھائی کو شکست دے سکتا ہے، وہ اس دنیا میں کسی کو بھی جیت سکتا ہے"

www.urdu novels mania.com

فضا میں تلواروں کے ٹکرانے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ ہر سوسناٹا تھا بس وہ آوازیں تھیں جو ان دو شہزادوں کی لڑائی کے اس میدان سے آرہی تھیں۔ ہر ذی روح سانس تک روکے ہوئے تھا۔ راجکمار عیث پھرتی سے حرکت کرتا، اپنے حریف کا ہر وار ڈھال پہ روک رہا تھا۔ اس نے پوری لڑائی میں اب تک ایک وار

بھی نہیں تھا۔ اسکی ساری جنگ سامنے والے وار بے اثر کی تھی۔ یہاں تک کہ راجمار حاصل تھکنے لگا تھا۔ اب اسے غصہ آنے لگا تھا۔ وہ جلد از جلد اسے ہرا کر اسے ختم کر دینا تھا۔ اسی غصے اور تھکان کے بیچ ماہاسان کے شہزادے نے اپنا وار کیا تھا۔

بس ایک وار اور اسکا وہ دشمن اسکے سامنے زمین پہ ڈھیر ہو چکا تھا جسے مقابلے کی شروعات میں اس نے دوست کہا تھا۔ تلوار کی نوک راجمار حاصل کی گردن سے زرا پیچھے رہ گئی اور ہار اس شہزادے کو چھو گئی تھی۔

مجمع پھر سے جی اٹھا تھا۔ شور، تالیاں اور نعرے۔ وہ سب آپلے سے باہر ہو رہے تھے۔ راجمار عیث نے مسکرا کر زمین پہ پڑے شہزادے کو دیکھا۔

"میں پھر کبھی گاشہزادے، ماہاسان والوں کے لئیے ماشروں کے علاوہ اور کوئی دشمن نہیں ہے"

پسینے میں بھیگا وہ شہزادہ اس سوئمبر کا فاتح ٹھہرا تھا۔ ہولے ہولے چلتا وہ راجر کی نشست کے سامنے پہنچا اور تعظیم میں سر جھکایا۔ راجہ اسکے لئیے کھڑے ہوئے اور اسی کے انداز میں سینے پہ ہاتھ رکھ کر سر جھکایا تھا۔ وہ مقابلہ جسکو پانے کے لئیے

تھا، وہ بے مثل شہزادی گلہابی کل ءو کی خوبصورت مالا لئیے اپنی نشست سے اٹھ کر اسکی طرف بڑھتی آرہی تھی۔ سارے بجک کی خوشبوئیں اس میدان میں جمع ہونے لگی تھیں۔ وہ راجکماری اس کے پاس آ کر رک گئی تھی۔

"میں قد میں ماہسان کے راجکمار سے کچھ چھوٹی ہوں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں یہ مالا آپکو پہناؤں تو آپکو جھکنا پڑے گا راجکمار"

وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔

"اس شخص سا خوش نصیب کوئی کہیں نہیں ہوگا کہ جو بجک کی اس راجکماری کے حضور جھک جائے گا"

وہ دایاں گھٹنا موڑ اسکے سامنے دوڑا نہ ہوا تھا۔ وہ نازک سی مالا اسکی گردن میں پہنا دی گئی تھی۔

"شکریہ"

وہ راجکماری پلٹ کر جا چکی تھی۔

وہ بجک میں اسکے قیام کے آخری لمحے تھے جب وہ وہاں آیا تھا۔ کہتے تھے کہ ان پہاڑیوں میں کہیں حسن کی دیوی رہتی تھی۔ وہ پہاڑیاں جو سر تا پا سبز بیلوں سے

ڈھکی ہوئی تھیں۔ جن میں جا بجا لال شعلوں جیسے پھولوں کے جھنڈ تھے۔ جن پہ سفید بدلیاں چھایا کئیے رکھتی ہیں۔ سفید بدلیاں جن سے برف کے روئی جیسے نرم زرے پھولوں پی برستے رہتے تھے۔ اسی گھاٹی میں کہیں دیوی زرماسہ کا مسکن تھا۔ شانہ اس جھیل کے پاس جسکے شفاف پانیوں میں سفید راج ہنس تیرتے تھے۔ ان درختوں کے جھنڈ میں کہیں کہ جن پہ سلطنت کے سب سے خوش رنگ پھل پیدا ہوتے تھے۔

فج کی اس دیوی سے وہ اپنے بھائی کے لئے پہلے کا ساحسن چاہتا تھا۔ اگر جو اسکا ذریعہ شاناب تھا تو وہ اسے بھی چاہتا تھا۔

"تو آپ جارہے ہیں شہزادے۔ ہمارے راجہ سے ایک جھوٹا وعدہ کر کے کہ بہت جلد آپ دوبارہ فج آئیں گے اور ہماری بہن کو رسم کے مطابق لے جائیں گے"

راجہ ماریام نے کہا تھا۔ عیث گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ روئی جیسے برف کے زرات شہزادے کے بالوں میں اٹکے ہوئے تھے۔

"تم اس پہلی رات مجھے اپنے ساتھ محل میں کیوں لے آئے تھے ؟؟؟ جبکہ تمہیں پتہ تھا شہزادی میری منزل نہیں تھیں"

راجماریام مسکرایا تھا۔

"مجھے ایک بات بتاؤ شہزادے! تم اس سفر پہ کیوں نکلے ہو؟؟؟؟؟"

راج ہنسوں کی ایک ٹولی پانی میں اٹھکیلیاں کر رہی تھی۔ فجک کا وہ شہزادہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

"ہم اپنی بہن سے بہت محبت کرتے ہیں راجمار۔ اس محبت سے کہیں زیادہ جو آپ کو شاناب کی تلاش پہ مجبور کروا چکی ہے۔"

وہ اسے دیکھتا بول رہا تھا۔

"ہماری دعا ہے آپ کو وہ مل جائے جسکی آپ کو تلاش ہے۔ آپ اپنے بھائی کے لئے شاناب ڈھونڈئے شہزادے، ہم نے تو اپنی بہن کے لئے ڈھونڈ لیا ہے۔۔۔۔۔"

www.urdu-novelsmania.com

وہ آخری بار تھا جب وہ اس باغیچے میں آیا تھا جہاں سے ایک راستہ شہزادی یسنا کے حجرے کو جاتا تھا۔ اسے پتہ تھا راجمار کی اسے وہیں ملے گی۔ کاسنی پھولوں کی بیلوں سے ڈھکے اس مجسمے کے آس پاس کہیں جس پہ کئی ایک بھنورے منڈلاتے

رہتے تھے۔ اور وہ اسے وہیں مل گئی تھی۔ حوض کے کنارے بیٹھی، شفاف پانی میں گلابی رنگوں کو گھلتا دیکھتی، اسے آتا دیکھ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"آپ کی ریاست میں میرا قیام بس اتنا ہی تھا راجکماری۔ آپ جانتی ہیں فوج میری منزل نہیں ہے"

"ہمیں علم ہے اور ہم آپ کی مشکور ہیں کے آپ نے اس مختصر قیام میں بھی ہمیں احسان مند کیا ہے"

عمیث نے نفی میں سر ہلایا

"راجکماری میں نے آپ کو خریدا ہے اور نا ہی جیتا ہے۔ یہ ایک مدد ہے اور اس سے

زیادہ کچھ نہیں۔ مجھے فوج کی آرزو ہے اور نا ہی اسکے حسن کی خواہش، میں نے یہ

سب آپ کی آرزو، آپ کی خواہش کے احترام میں کیا ہے اور اس سے زیادہ میں کچھ

نہیں کروں گا" www.urdu novels mania.com

رسیلے پھلوں کے اونچے پیڑ لال بھورے پھلوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ان کی

ڈالیوں پہ انواع و اقسام کے پرند اپنے اپنے سنگیت گاتے تھے۔

"عین ممکن ہے میں کبھی فُجک واپس نا آؤں۔ عین ممکن ہے اس وعدہ خلافی پہ ماہسان فُجک کا دشمن بن جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اب ہم کبھی ایک دوسرے کی صورت نہیں دیکھ پائیں۔ تو شہزادی، اسے آخری الوداع سمجھئے گا۔"

اس نوخیز شام، وہ راجکمار ی بشیان کے پانیوں کے دیس سے آئے اس راجکمار کو جاتا دیکھتی رہی تھی۔ کہانیاں تو یہ کہتی تھیں کہ فُجک کا حسن دیوانہ بناتا تھا۔ اب کہ یہ ہونے والا تھا کہ فُجک کے حسن کو دیوانہ ہونا تھا۔ وہ راجکمار ی جو دنیا کی ہر حسین سے حسین تخلیق اور شے سے مرعوب نہیں ہوئی تھی، ماہسان کے ایک دل سے ہار بیٹھی تھی۔ وہ جو کہہ گیا تھا کہ اسکا انتظار نا کیا جائے، اب اسکا انتظار ہی حیات کا مقصد تھا۔ گلابی پھولوں کے گچھوں پہ تتلیوں کے رتھ اپنی راگنیاں گارہے تھے، وہ شام جو جلد نارنجی اوڑھنی اوڑھنے کو تھی، جب فُجک کے باسی جشن سے واپس اپنے گھروں کو لوٹ گئے تھے، وہ راجکمار آخری بار الوداع کہہ کر فُجک سے رخصت ہو چکا تھا۔

باب سوم: بشیان

دھرتی پہ پھیلی سبزی دھیمے پڑتے اب ختم ہو چکی تھی۔ فجک پیچھے رہ گیا، یہ اسی کی نشانی تھی۔ ہوا میں بکھری اس گلابی خوشبو کی باقیات بھی اب کب کی پھسکی پڑ چکی تھیں۔ آسمان کی نیلا ہٹوں میں اب سفیدیاں گھلنے لگی تھیں۔ راجکمار عیث نے گہری سانس بھری اور آسمان کی طرف چہرہ کر کے اس ہوا میں محسوس کیا۔ برف کہیں آس پاس ہی تھی۔

"تو یہ شروع ہوا۔۔۔"

اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ سالوں سے جو قافلے فجک کے دوسری پار سے ماہاسان پہنچتے تھے، انکی جادوئی کہانیاں سنتے سنتے اس نے بچپن گزارا تھا۔ وہاں سے آئے تاجروں کی زبانی وہ سبھی قصے محل تک پہنچتے تھے جن میں وہ ایک نام لازماً ہوتا تھا۔

"تشیان"

www.urdu novels mania.com

"یہ اُسکا شہر نہیں ہے۔ کبھی بھی نہیں تھا۔ ہمارے باپ دادا کی یہ سلطنت جانے کب اس غاصب کے نام ہو گئی۔ ہم یہ نہیں مانتے ہیں، یہ شہر، یہ سلطنت ہمیشہ سے ہماری تھی اور ہم ہی اسکے مالک ہیں"

ستم یہ تھا کہ نئی نسلیں اس سلطنت کا نام بھی بھولنے لگی تھیں۔ اب اس غاصب مالک کا نام ہی اس سلطنت کا نام تھا۔

"مسافر ہو؟؟؟ کہاں سے آئے ہو؟؟؟"

وہ شہر اس سلطنت کی بندرگاہ بن کر رہ گیا تھا۔ اس اتنی بے تحاشا عظیم سلطنت اب بس اس شہر تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ راجکمار عیث نے سوال کرنے والے کو گھوڑے کی طنابیں تھمائی تھیں

"تھوڑی دیر کے لئے قیام کروں گا۔ گھوڑے کا دھیان رکھنا۔ اسکی بھوک پیاس اب تمہاری ذمہ داری ہے۔ خیال رہے یہ مجھے بہت عزیز ہے اور ابھی بہت لمبا سفر طے کرنا ہے"

اس نے مڑ کر گھوڑے پہ پیار سے ہاتھ پھیرا۔

"میں واپس آؤں گا پیارے جسل۔ پھر ہم ساتھ میں گھر جائیں گے"

وہ زرا سی سرائے مجلگی روشنی اور اس جیسے بہت سے مسافروں سے بھری ہوئی تھی۔

"حلتیے سے تو کسی شاہی گھر کے معلوم ہوتے ہو، کون ہو اور کہاں سے آئے ہو

؟؟؟؟"

اب کہ عیث نے سچ بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ اس مخلوق کی سلطنت میں تھا کہ جسکے مکر ایک زمانے میں مشہور تھے۔ اسے اب سچ چھپانے کی عادت ڈالنا ہوگی۔ اور یہ تو اسکے بادشاہ کی نصیحت بھی تھی۔

"سنیاس لینے کا ارادہ ہے۔ سنا ہے دنیا کے آخری چھوڑ پھو گیا فی ہیں، ان سا کوئی دوجا نہیں ہے۔ بس انکی شاگردی کے لئے مسافر بن چکا ہوں"

اسی سرانے میں اس نے سنا کہ ایک قافلہ اوشارہ کے لئے روانہ ہونے والا تھا۔ کچھ تاجر، کچھ دوسرے لوگ۔ اس نے پوچھ گچھ کی اور سردار تک جا پہنچا تھا "مجھے بھی اس قافلے میں شامل ہونا ہے محترم۔ اوشاہ آپ کی طرح میری بھی منزل ہے۔ آپ کے ساتھ یہ سفر میرے لئے باعثِ سعادت ہوگا"

اس شہر کو ہر شخص نے الگ ہی نام دے رکھا تھا۔ جس کا جو جی چاہتا، اسے بلاتا مگر وہ ہر گز نہیں جواب اس کا نام پڑچکا تھا۔ ساری دنیا اس سلطنت کو تیشان پکارتی تھی اور وہاں کے باسی اس نام کو سن کر نفرت سے زمین پہ تھوک دیتے تھے۔ وہ شہر بھی اب گھٹتا جا رہا تھا۔ عین ممکن تھا کہ کچھ ہی دیر میں وہ صفحہ ہستی سے مٹ جاتا اور فوج اسکی باقیات نگل جاتا۔

تو جب تک وہ تھا، تشیان ہر گز نہیں تھا۔

وہ پہاڑیاں دور سے ہی دکھائی دیتی تھیں۔ سویرے شام وہاں برف پڑتی تھی اور وہی سفید چادر اوڑھے وہ پہاڑیاں ہر سہمے بے بس سی دکھائی دیتی تھیں۔ یوں کہ وہ برف انکا مقدر نہیں تھی پر زبردستی ان پہ تھوپ دی گئی تھی۔ وہ پہاڑیاں بھی وہی قصہ سناتی تھیں جو اس شہر کے باسیوں کی زبان پہ تھے

"ہمارے باپ دادا نے نادیکھی کبھی برف۔ انکے زمانوں میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ میرے بزرگوں نے تو بتایا کہ یہاں کبھی یہ پہاڑیاں بھی نہیں تھیں۔ یہ تو اس منحوس کے آنے سے ہوا کہ ریت غمیض و غضب کے مارے یوں پہاڑیوں میں ڈھل گئی"

وہ راستہ برف کی وجہ سے دشوار گزار تھا۔ جگہ جگہ پھسلن تھی۔ پرانی پڑ چکی برف سے کافی لپیٹی تھی اور بُو آتی تھی۔ راجکمار عیث اسی قافلے کے ساتھ شامل ہو کر اوشارہ کی سمت چل نکلا تھا۔ راستہ پیروں پہ طے ہونا تھا کہ وہ گھوڑوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ گھوڑے بھی کہاں تک ساتھ رہتے، آگے جب لق دق صحرا شروع ہوتا تو پھر ان بیچاروں کا کیا بنتا۔

وہ ٹھنڈک برف کی نہیں تھی۔

برف تو بیچاری بے ضرر تھی۔ قدموں تلے پھسلن بچھانے کے، اسکی اور کوئی خطا نہیں تھی۔ قصور اس ہوا کا تھا کہ جس میں گھلی وہ سردی، پورے بدن میں سونیاں بن کر چھتی تھی۔ وہ بخ بستہ ہوا جو جسم سے ٹکراتے ہی برف میں تبدیل ہو جاتی تھی۔ راجکمار عیث نے اس فضا میں آتے ہی رگوں میں بہتا خون بھی جمنا محسوس کیا تھا۔ ہاتھ ایسے ہو گئے جیسے ان میں جان باقی نارہی ہو۔ اس رات جب چٹان تکے، آگ کے الاؤ کے پاس بیٹھے اس نے چمڑے کے جوتے اتارے تو دیکھا ایڑھیوں پر چھالے نمودار ہو چکے تھے۔ نیلی پڑچلی انگلیاں اور کانپتے ہاتھ۔ سفر شروع ہوئے ابھی ایک دن گزرا تھا اور اس قافلے کی ہمت ٹوٹنے لگی تھی۔ بارہ میں سے چار افراد واپس لوٹ گئے تھے۔

"کاروبار میری جان سے قیمتی ہر گز نہیں ہے۔ میں ایسا بیوقوف نہیں کہ سکوں کے بدلے موت قبول کر لوں۔"

باقی تاجر اسکے ہمנוا بنے اور وہ آٹھ افراد رہ گئے۔

اگلا دن پچھلے دن کی نسبت زیادہ بخ بستہ تھا۔ ٹھنڈے پانی میں شرابور، برقیلی ہوا اور دشوار رستہ۔

"مجھے یہ کرنا ہی ہے۔ میں واپس نہیں جاؤں گا۔ مجھے یہ کرنا ہی ہے۔ شہزادے کو میری ضرورت ہے۔ انکی حیات کے لئے مجھے یہ کرنا ہی ہے"

تیسری رات وہ خود سے عہد کرتا رہا تھا۔ قافلے میں چھ لوگ بچ رہ گئے تھے۔ چوتھی رات وہ طوفان آیا تھا۔ باریک ریت جیسی پسی ہوئی برف غصیل ہوا کے کاندھے پہ سوار ہر شے تھس کرنے کو تیار تھی۔ وہ چھ افراد پناہ کی غرض سے جس پہاڑی تلے تھے، اسکا ایک بڑا تودہ ٹوٹ کر زمین کی اور آگرا۔ انکے دوساتھی اسکے نیچے دھنس گئے تھے۔

"رکو، ٹھہرو۔۔۔ دیوتا جہان کے واسطے ہمارے مددگار بنو۔ رکو ہمیں مرنے کے لئے مت چھوڑو"

عمیٹ اور دو جوان مل کر انہیں نکالنے کی تگ و دو میں لگ گئے۔ برف بارش کی بوچھاڑ کی طرح ان پہ برس رہی تھی۔ ٹوٹی پہاڑی تلے انکے دوساتھی، برف کی قبر میں دفن ہو چکے تھے۔

"یوقوف مت بنو۔۔۔ چلو اور کسی محفوظ ٹھکانے کو ڈھونڈو۔ جو برف نے منگل لیا ہے، اسے واپس کوئی نہیں لاسکتا"

وہ ساری رات اور اگلا بیشتر دن اسی طوفان سے لڑتے گزرتا تھا۔ ان بچ رہ جانے والے مسافروں کی جلد پہ برف کی وہ ابدی تہہ جم چکی تھی۔ راجکمار عیث نے اپنی سانس والی نالی کو بھی اس برفیلی فضا میں اکڑتا ہوا محسوس کیا تھا۔ معدے کے تھیلے میں بھی ہر مائع شے جم چکی تھی۔ آنتوں میں برف کی نوکیلی چونچیں بری طرح چھنے لگی تھیں۔ اس دن کے اختتام تک اسکے دو اور ساتھی مر چکے تھے۔ اکڑ چکے جسم برف کی دبیز چادر تلے دفن ہو چکے تھے۔

"ہمیں ہمت نہیں ہارنی۔۔۔ دیکھو میرے دوست، بس تھوڑی سی مسافت اور ہم صحرا پالیں گے۔ چلتے رہو، رکنا مت"

عیث جانتا تھا رکنے کا مطلب قدموں کا ہمیشہ کے لئیے منجمد ہو جانا تھا۔ وہ جب تک حرکت میں تھے، برف انہیں شکست نہیں دے سکتی تھی۔

"چلتے رہو۔۔۔ چلتے رہو"

وہ قافلے کا سردار تھا جو آخر تک اسکا ساتھی بنا رہا۔ صحرا انہیں ملتا، اس سے کچھ دیر پہلے وہ ہمت ہار گیا۔

"وہ دیکھو۔ وہ رہا۔۔۔ ہم نے کر دکھایا سردار۔ بس زرا سی ہمت اور۔ دیکھو وہ وہاں، تم نے دیکھا وہ ریت کی چمک ہے"

من من ہوتے قدموں کو بمشکل گھسیٹتے ہوئے، شہزادہ اس چوٹی سے دور نظر آتا
تشیان کا صحرا دیکھ سکتا تھا۔ جوش سے اپنے ساتھی کو پکارتے عیث نے مڑ کر
دیکھا۔ راجکمار کا آخری ساتھی اور اس قافلے کا سردار اس سے بہت پیچھے رہ گیا
تھا۔ اسکا بے جان دھڑ برف سے ڈھکی چوٹی پہ پڑا تھا اور دور تک اسکا بہتا خون
تیزی سے جمنے لگا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں چاقو تھا جس سے وہ اپنی شہرہ رگ
کاٹ چکا تھا۔

اپنی ساری ہمت جمع کر کے راجکمار عیث نے ریت پہ چھلانگ لگا دی تھی۔
تشیان کا وہ صحرا گویا ریت کا سمندر تھا۔ دور دور تک بس ریت تھی۔ کوئی پودا، کوئی
جانور، کوئی ذی روح نہیں، بس ریت تھی۔ اتنی بے تحاشا ریت کہ آنکھیں دکھن
کا شکار ہونے لگتی تھیں۔ اسی ریت پہ بے جان پڑے شہزادے نے اپنی جلد
سے وہ برف پگھلتے محسوس کی تھی۔ ریت کے زرات لالچوں کی طرح وہ پانی کے
زرات چوسنے لگے تھے۔ عیث کی پلکوں پہ جمی برف پگھلی تو اس نے ہولے سے
آنکھیں جھپکیں۔ اتنے بے تحاشا وقت سے مسلسل آنکھیں کھلی رہنے کی اذیت
دوگنا ہوئی تھی۔

اسے لگا وہ اکیلا نہیں تھا۔

وہاں کوئی تھا جسکی سانسوں کی آواز وہ سن سکتا تھا، جسکی دھڑکن اس ریت میں دھڑکتی محسوس کر سکتا تھا۔ اس ریگستان میں ریت پہ لیٹے لیٹے اس پہ وہ راز کھلا تھا۔ وہ صحرا مُردہ نہیں تھا۔ اور وہ ہر گز اکیلا نہیں تھا۔

زادہ راہ کے نام پر اسکی پوٹلی میں چند اشیاء ہی بچی تھیں۔ چند ایک پھل جو فک سے اسکے ساتھ تھے، کچھ برخان کے ٹکڑے اور ماس جو اتنے دنوں کی برف سے چمڑے میں تبدیل ہو چکا تھا۔ پانی کی بوتل میں زیادہ سے زیادہ آٹھ دس گھونٹ تھے۔

"راجمار کے لئے۔۔۔ اپنے خاندان کے لئے۔۔۔ ماہسان کے لئے۔۔۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سفر جیسا بھی ہوتا، اسے طے کرنا ہی تھا۔ پیچھے ہٹنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وجہ یہ نہیں تھی کہ اسے ملکہ بادیاہ کی کسی بات نے اکسایا تھا، حقیقت یہ تھی کہ اسے بھائی کو پہلے سا صحتیاب ہوتا دیکھنا تھا۔ راجمار عائن اسکی جگہ ہوتا تو یہ سب ہر گز نہیں کرتا لیکن اسے فرق نہیں پڑتا تھا۔ اسے تو یہ کرنا ہی تھا۔

وہ صحرا عبور کرنا تھا، پہاڑیوں کے اس پار اوشارہ جانا تھا اور شاناب کھوج نکالنا تھا۔

تشیان کا وہ ریگستان ان چوٹیوں پہ برستی برف جیسا ہی سنگدل تھا۔ وہاں ریت برف بن چکی تھی تو یہاں وہ کونلوں کی مانند دھکتی، لاوا بنی رہتی تھی۔ چوٹیوں پہ پھسلن پریشان رکھتی تھی اور یہاں ریت میں قدم دھنسے رہتے تھے۔ جوں جوں وہ صحرا میں آگے جاتا جا رہا تھا، ریت کسی سمندر کے پانیوں کی طرح گہری ہوتی جا رہی تھی۔ پہلے وہ چلتے ہوئے ٹخنوں تک اس میں ڈوبا رہتا، اب وہ گھٹنوں تک اسے اپنے اندر سمونے رہتی تھی۔ وہ سفر بے تحاشا اذیت ناک تھا۔ جھلستی ریت پہ تنے آسمان میں ہر سمسے سورج ٹنگا رہتا تھا۔ اتنے نزدیک کی عیث ہاتھ بڑھاتا تو اسکی انگلیاں جھلس جاتیں۔ وہ ریت کو کھودتے ہوئے، ایک نالے کی شکل میں راستہ بناتا چلتا تھا کہ سورج سے فاصلہ بنا رہے۔ سارا دن یہی مشقت رہتی۔

وہ ریت کھودتا، سفر کرتا اور تھک کر وہیں کسی گڑھے میں سستانے کے لئیے لیٹ جاتا۔ رات کو قدرے سکون رہتا تھا۔ ہر طرف سناٹا اور خاموش ریت۔ وہ

کسی پل ریت پہ لیٹ کر آنکھیں موندتا تو وہ دھڑکن سنائی دیتی تھی۔ وہ ریت کے ایک ایک زرے میں دھڑکتی تھی۔

وہ خیال یونہی بڑھتے بڑھتے اسکے ذہن پہ سوار ہونے لگا۔ وہ کوئی جو بنانے کون تھا، اب اسکے وجود سے دیمک کی طرح چپک کر اسے ہولے ہولے کھانے لگا تھا۔ وہ روز ریت کھودتا اور وہ خیال اسکے ذہن کی پرتیں کھودتا، اسے کھوکھلا کرتا جا رہا تھا۔

کبھی تو راجکمار اپنے سارے حواسوں کو مجتمع کرتا اور اس کو ذہن سے جھٹک دیتا پر یہ ہمیشہ نہیں رہتا تھا۔ وہ دھڑکن جو پہلے ریت میں دھڑکتی تھی، عیث کو اب اپنے سینے میں محسوس ہونے لگی تھی۔ اسے آوازیں سنائی دینے لگیں، اسے چہرے دکھائی دینے لگے تھے۔ وہ پلکیں جھپکتا اور ریت کا ہرزہ ایک صورت بن جاتا، اگلی پلک جھپکنے پہ وہ کوئی اور صورت میں ڈھل چکا ہوتا۔ اتنے بے تحاشا چہرے، آنکھیں اور دل۔

وہ صحرا اسے پاگل بنا رہا تھا۔

وہ جو بھی تھا، اب اس میں حلول کرتا جا رہا تھا۔ راجکار عیث کی آنکھیں اب پتھرانے لگی تھیں۔ ریت کی حدت اسکی کھال کو چمڑے کا سا بنا چکی تھی۔ کمزور ہڈیوں کا ڈھانچ وجود جو اس لقا و ق صحر کے کبھی نا آئیوالے انت کی تلاش میں تھا۔

"میں۔۔۔ میں عیث ہوں۔۔۔ میں۔۔۔ ماہسان کا۔۔۔ میں۔۔۔"

ریث۔۔۔ میں۔۔۔ عائن۔۔۔ مجھے گھر۔۔۔ میں عیث۔۔۔"

وہ ذہن میں کلبلاتی اس سوچ سے ہر سسے لڑتا رہتا تھا۔ پڑیاں جے ہونٹوں پہ ہمہ وقت وہ اپنا نام دہراتا کہ یہ وہ شے تھی جسے وہ بھولتا تو صحرا سے منگل لیتا۔

اس رات وہ سویا تو جا گئے پہ خود کو اس جگہ پایا تھا۔

اس ریگستان میں کہیں پر وہ نخلستان تھا۔ درختوں کے جھرمٹ میں، وہ جھیل تھی۔ ریتلے کنارے پہ پانی کی لہریں دم توڑ رہی تھیں۔ عیث نے خود کو اس گیلی ٹھنڈی ریت پہ پایا تو ہولے سے آنکھیں کھولیں۔ درختوں کی گھنی ٹہنیاں اس پہ چھاتا بنائے ہوئے تھیں۔ وہ فوراً اٹھ بیٹھا۔ شاخیں میوے سے لدی تھیں۔ پرندے شاخوں پہ گیت گاتے، پھل کی گریاں کترتے زمین پر گر رہے تھے۔ عیث نے چکراتے سر کو تھا ما اور چہار اور نظر دوڑائی۔

وہ آقا کی سلطنت جیسی تھی۔ بالکل ہو ہو ویسی جن کے قصے اس نے سن رکھے تھے۔ جھیل میں ٹھنڈا پانی بہہ رہا تھا۔ درختوں کی چھاؤں تلے وہ خوبصورت جھونپڑیاں تھیں۔ فضا میں اشتہا انگیز کھانوں کی خوشبو تھی۔ اس نے جھک کر وہ پھل اٹھایا جو اسکے دیکھتے دیکھتے درخت سے گرا تھا۔ اس سے ٹپکتے رس سے اسکی انگلیاں چپکنے لگی تھیں۔

"سوچ کیا رہے ہو؟ یہ سب تمہارے لئیے ہے۔ کھا لو، کھا لو تمہیں بھوک لگی ہے۔ کھاؤ اور پیو دیکھو کیسا ٹھنڈا پانی ہے۔ سوچ کیا رہے ہو؟؟؟؟"

اسکے کانوں میں وہ سرگوشی سی تھی۔ اسکا سر بری طرح چکر رہا تھا۔

"تمہیں یہ چاہیے ہے ناں؟؟؟ تمہیں زندہ رہنا ہے ناں؟؟؟؟ سوچو مت، یہ پھل کھاؤ۔ کھاؤ شہزادے۔۔۔"

عیش کا ہاتھ منہ تک پہنچ چکا تھا جب وہ سرگوشی پھر سے اس کے کان میں ہوئی تھی۔
 "کہو تم اپنی جان تشیان کے سپرد کرتے ہو۔۔۔۔۔ کہو اب سے تم تشیان ہو۔۔۔۔۔
 کہو تمہارا دل اب سے تشیان کا ہے۔۔۔۔۔ کہو تم۔۔۔۔۔"

اس نے سینے میں وہ کلبلاقی دھڑکن محسوس کی تو تیزی سے نفی میں گردن ہلائی تھی۔
 "کو تم تشیان ہو۔۔۔ کو تم تشیان۔۔۔۔۔"

"مم۔۔۔۔۔"

وہ پھل اس نے ہونٹوں میں دبایا تھا۔

"میں۔۔۔۔۔ عیث۔۔۔۔۔ عیث ہوں۔۔۔۔۔"

ایک لمحے میں نخلستان غائب ہو چکا تھا۔

درخت، جھیل، پانی، پرندے، پھل، جھونپڑیاں، سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ عیث نے منہ میں ریت کا ذائقہ محسوس کیا تھا۔

اور جب اسے لگا سب ختم ہونے کو ہے، دور سے شہر کے کھنڈرات دکھائی دینے لگے تھے۔ تشیان کا ریگستان ہارمان بیٹھا اور گہرائیوں کو کم کرتا چلا گیا۔ پگھلی ہوئی ریت ٹھنڈی پڑتے پڑتے ختم ہو گئی اور وہ شہر دکھائی دینے لگا۔

www.urdu novels mania.com

"نمروح"

وہ سلطنت بھی کھنڈرات میں بدل چکی تھی۔ جب سفر شروع ہوا تھا تبھی وہاں کے باسیوں نے بتا دیا تھا۔

"جو بچے کھچے ہیں بس ہم ہی ہیں۔ ان ٹیلیوں کے اس پار، صحرا سے لیکر نمروح کے کھنڈرات تک کوئی بندہ بشر نہیں بچا ہے۔ وہ کم ذات ہر ذی نفس کو ننگل کر ریت

میں بدل چکا ہے۔ تم دیکھو گے کہ اس اجاڑ پڑے شہر میں اب زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں ہے"

راجمار عیث ان باتوں کو صادق ہوتا دیکھ رہا تھا۔ دور تک بستی اجرٹی ہوئی تھی۔ کھنڈروں میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی چرند پرند ناہی سبزی کی کوئی رمق بچی تھی۔

"اس نے کیوں کیا ہو گا یہ سب ؟؟؟؟"

راجمار نے اجاڑ پڑے شہر کو دیکھ کر سوچا تھا۔ اسی شہر میں اسے شام ڈھل آئی تھی۔ رات سیاہی کا چوغہ اوڑھے ان کھنڈرات پہ وارد ہوئی تھی۔ راجمار عیث چلتے چلتے رک گیا۔ وہ شہر کی آخری حد تھی جس کے اس پار، دور دھواں اٹھتا تھا۔ وہ چلتے ہوئے اس پگڈنڈی سے ہوتا ہوا پانی کے نالے تک پہنچا، جس پہ بنے پل کو عبور کر کے اس الاؤ تک پہنچا جاسکتا تھا۔

www.urdu novels mania

وہ پہچان گیا۔ وہ کیتک کی کٹیّا تھی۔

سوال تو اسکے پاس بھی تھے جنکے جواب کھوجنے وہ ان پانیوں کو پار کر گیا تھا۔ دور آسمان تک پہنچ چکے درختوں پہ تنے سیاہ آسمان پہ آدھا چاند سرمئی بدلیوں کے پیچھے چھپنے کو تھا۔ گھٹنوں تک آتی گھاس میں سے راستہ بناتا ہوا وہ کٹیّا تک پہنچا تھا۔

آنکھوں سے عاری وہ چہرہ، وہ اندھی بوڑھی جادوگرنی اس کٹیا کے وسط میں، آگ کے الاؤ کے سامنے بیٹھی تھی۔ راجمار عیث بہت دیر تک وہیں داخلی راستے پہ کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا یہاں تک کہ اس جادوگرنی نے سر اٹھایا۔ سیاہ پس منظر میں اسکا آنکھوں سے عاری چہرہ، آگ سے اٹھتی چنگاریوں سے متمتا رہا تھا۔

"کیا چاہیے ؟؟؟؟"

"تیرے پاس ہے ہی کیا جو کسی کو چاہیے ہو ؟؟؟؟"

راجمار عیث ہولے سے اندر داخل ہوا۔ وہ ہولے سے ہنسی تھی۔

"جتنا بھی حقیر سمجھ لو، اندھی کینک آنکھوں والوں سے زیادہ پینا ہے"

عیث الاو کے سامنے آلتی پالتی مار بیٹھ گیا تھا۔

"کیا جاننا چاہتا ہے ؟؟؟ اپنا مستقبل ؟؟؟"

اس نے ہولے سے نفی میں سر ہلایا

"نہیں مجھے اسکی کوئی ضرورت نہیں۔ میرا مستقبل جیسا بھی ہوگا، مجھے پہلے سے جانے بنا قبول ہے"

"پھر کیا سوال ہے ؟؟؟؟"

وہ زرار کا

"ماشروں کی قوم نے وہ کیسے کیا کہ انسان بن چکے؟ وہ جانوروں سے نچلے درجے کی مخلوق کس جادو کے زور پر اتنی طاقتور ہو گئی؟؟؟؟"

وہ جادو گرنی زور سے ہنسی

"کیتک چہرے نہیں دیکھ سکتی پر خون دیکھ لیتی ہے۔ اسے چہرے کے نقوش یاد نہیں رہتے پر خون میں بہتی تقدیر جان لیتی ہے۔ تو مجھے وہ خون دکھاؤ جسکی بابت یہ سوال ہے"

عمیٹ خاموش رہ گیا۔

"کسی ماسٹر کا خون نہیں ہے میرے پاس"

"تو تیرے سوال کا جواب بھی نہیں ہے میرے پاس"

اب کہ وہ غصہ ہوئی تھی۔ آگ کے الاؤ سے چنگاریاں دور تک آزاد ہوئی تھیں۔ کیتک سر جھٹک اپنے باپ دہرانے لگی تھی۔

"میں جانتا ہوں یہ تمہاری کارستانی ہے۔ کسی ریاست، کسی دنیا میں کوئی جادوگر

تمہارے جیسا نہیں ہے اور جو ماشروں نے کیا ہے، وہ یقیناً جادو ہی ہے۔"

وہ اندھی جادو گرنی گویا بہری بن گئی تھی۔

یہ ہوا کہ اس نے پانی پیٹ بھر پیا اور چمڑے کی بوتل بھی باب بھر لی تھی۔ کیتک کے جنگل سے اسے کئی ایک جنگلی پھل بھی مل گئے جنہیں اس نے اس آخری سفر کے لئے جمع کر لیا تھا۔ وہ آخری سفر جوان چٹانوں میں سے تھا۔ انہیں سب تشیان کی بھول بھلیاں کہتے تھے۔

کچھ کہانیاں تھیں کہ اوشارہ کے سادھوؤں نے تپسیا کر کے چٹانوں کی وہ دیوار کھڑی کی تھی تاکہ انکی سلطنت اس کے شر سے بچی رہ سکے۔ بعض کہانیاں یہ کہتی تھیں کہ وہ تشیان نے اپنے شکار کو اپنے جال میں پھنسانے کے لئے بنائی تھیں۔ زمین سے دور آسمان تک، یکلخت کھڑی وہ چٹانیں جو دیکھنے میں ہی بے رحم تھیں۔ نوکیلے پتھروں سے بھرے تاریک اور تنگ راستے جن سے گزرتے ہوئے جسم کو خراشیں تو ملتی ہی تھیں، سانس بھی بند ہونے لگتا تھا۔ وہاں بھی ویسا ہی ہو کا عالم تھا۔ دور کہیں کوئی چٹان ٹوٹی، کوئی پتھر اپنی جگہ بدلتا تو چٹانوں میں دور تک سناٹا پاش پاش ہو جاتا تھا۔

راجمار عیث سارا دن، ساری رات سفر کرتا تھا۔ اب اسے ایک بھی پل آرام کر کے ضائع نہیں کرنا تھا۔ وہ جسکے لئے اس مہم پہ تھا، وہ جانے کس حال میں تھا۔ اسے جلد از جلد اس بیماری کا توڑ ڈھونڈ کر گھر لوٹنا تھا۔

"کہو تم تشیان ہو۔۔۔ کہو تمہارا نام تشیان ہے۔۔۔ غور سے دیکھو اپنے ہاتھ، یہ تشیان کے ہاتھ ہیں۔۔۔ سنو دھڑکنیں، یہ اسکی ہی ہیں ناں۔۔۔"

وہ خیال نمروح کے کھنڈرات سے ہی اسکے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ سوچ پھر سے اسکے ذہن میں کبلانے لگی تھی۔ ان چٹانوں کی بھول بھلیوں میں بنے رستے پر بے تحاشا چلتے اکثر اسکے کانوں میں سرگوشیاں ہوتی تھیں۔ وہ سن سکتا تھا۔

"میں وہ نہیں ہوں۔ میں تشیان ہرگز نہیں ہوں"

"تم ہو۔۔۔ تم ہو۔۔۔ تم تشیان ہی تو ہو۔۔۔"

اسکے پیروں میں چھالے بن گئے تھے۔ اب یہ ہوا تھا کہ اس راستے پہ دن رات کی تفریق ختم ہو گئی تھی۔ کب دن طلوع ہوا کب رات، خبر ہی نہیں ہوتی تھی۔ وہ ایک راستے سے گزرتا، کچھ ہی پل میں دوبارہ سے خود کو اسی پہلی جگہ پاتا تھا۔ جانے کیا تھا پر بے انت تھا۔ راستہ دکھانے کو کوئی ستارہ، کوئی سورج چاند نہیں تھا۔ بس اندھیرا اور چٹانیں۔ وہ چٹانیں جنگلی کوئی زمین تھی اور نا ہی آسمان، ہر طرف دور تک بس چٹانیں تھیں

راجمار ایک بار پھر سے ذہنی توازن کھونے لگا تھا۔ وہ سوچ، وہ نام اسے حواسوں کو اپنے قابو میں کر چکا تھا، اب اسکی زبان سے وہ لفظ کھلوانا چاہتا تھا۔ وہ نام جو اس سلطنت کا مالک تھا۔

اس دن جب وہ چلتے چلتے تھک گیا تھا۔ اس راستے کا کوئی انت نظر نہیں آ رہا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ تا عمر ان چٹانوں میں بھٹکتے ہی رہنا تھا۔ اس لمحے اس نے اس خیال کو ذہن کے پردے پہ رینگتے پایا۔ اسکے کانوں میں سرگوشی ہوئی تھی۔

"میں ہی ہوں جو سب سے اوپر ہوں۔"

راجمار عیث نے سارے بدن کی طاقت سلب ہوتے محسوس کی تھی۔ اسے لگا کوئی اسکے جسم سے ساری قوت نچوڑ کر، اسے کھوکھلی ہڈیوں کے ڈھانچے میں ڈھال رہا ہے۔

"نا انسان ہوں نا ہی کوئی ماسٹر۔۔۔ نازندوں میں ہوں اور ہی مُردوں میں۔۔۔ کوئی چرند پرند نا ہی کوئی دوسری مخلوق۔۔۔ زندگی نا ہی موت۔۔۔ اندھیرا ہوں اور نا ہی اجالا۔۔۔۔۔"

راجمار عیث کو لگا وہ اس آواز کو پہچانتا ہے۔ دور تک چٹانوں میں تشیان کی پکار گونج رہی تھی۔

"ماہاسان کی شان سے۔۔۔ فحک کی خوبصورتیوں سے۔۔۔ میرانہ کے خزانوں سے۔۔۔ اشارہ کی روشنیوں سے۔۔۔ بشیان کی گہرائیوں سے۔۔۔۔۔ ہاں ان سب سے عظیم، ان سب سے اوپر۔۔۔۔۔ میں ہی ہوں۔۔۔۔۔ میں ہی ہوں۔۔۔۔۔"

راجمار عیث نے ہونٹوں کو کپکپاتے پایا۔ اس نے انکی جنبش کو اپنے اختیار کی حدود سے نکلتے محسوس کیا تھا۔

"مم۔۔۔۔۔ میرانام۔۔۔۔۔ بشیان۔۔۔۔۔ ہے"

وہ جملے اسکے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوئے اور اگلے ہی لمحے اسکا بے جان دھڑ پتھر پہ گر چکا تھا۔

راجمار عیث نے دھندلا سا منظر دیکھا۔

دور تک پھیلا ریگستان تھا۔ ہر جگہ بس ریت اور ریت۔ اتنی بے پناہ ریت کہ جی ہولنے لگے تھا۔ اس پہ خاموشی اور سناٹا۔ کوئی زمی روح، کوئی چرند پرند نہیں۔ بس لق دق صحرا اور اس پہ چھایا بے رنگ سا آسمان۔

پھر اس نے دیکھا اس صحرا کے بیچوں بیچ وہ وجود تھا۔ ریت میں دبا، بے بس سا ہاتھ پاؤں مارتا ہوا۔ اس نے اگلے ہی لمحے بھڑبھڑ جلتی آگ دیکھی تھی۔

وہ وجود چیخیں مارتا اس آگ کے الاؤ میں جل رہا تھا۔ اس نے دیکھا وہ ریت بھی شعلوں میں بدلنے لگی تھی۔ دور تک گویا کھیتی تھی جس پہ آگ کی فصل کھل اٹھی تھی۔

پھر اس بے رنگ آسمان سے برف برستے لگی تھی۔
قطرہ قطرہ، ریزہ ریزہ سفید چاندی جیسی برف۔ دور تک سارا ریگستان برف کی چادر تلے چھپ گیا تھا۔

اور پھر سے منظر بدلا اور۔۔۔۔۔
راجمار عیث نے خود کو چٹانوں کے دوسری پار پایا تھا۔
وہ ریت، شعلے، برف ہر شے غائب ہو گئی۔ تیشیان کی وہ بھول بھلیاں، وہ صحرا، چٹانیں، وہ آسمان، نمر وچ کے کھنڈر، سب یکدم غائب ہو گئے تھے۔
وہ زمین پہ تھا۔

مٹی۔۔۔۔۔ اور دور سے آتی غدار ہوا۔۔۔۔۔ لہروں کا شور۔۔۔۔۔ بگلوں کی
قلقاریاں۔۔۔۔۔ نارنجی روشنیاں۔۔۔۔۔

وہ اوندھے منہ گیلی زمین پہ تھا۔ یونہی لیٹے لیٹے اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔ دو قدم اسکے نزدیک ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔

باب چہارم : اوشارہ

راجمار عیث نے سو جن زدہ پوٹوں کو بمشکل حرکت دی تھی۔ اسکی پلکوں سے ہوتے ہوئے وہ نارنجی روشنی آنکھوں میں داخل ہوئی اور لبوں سے دھیمی سی سانس آزاد ہوئی تھی۔ تبھی کانوں نے وہ غیر مانوس آوازیں سنیں۔ کہیں پاس ہی لہروں کا دھیمسا شور تھا، پس منظر میں سمندری بگلوں کی آوازیں تھیں۔

"تت۔۔۔۔۔ تشیان۔۔۔۔۔"

وہ آخری لفظ جو اسے یاد تھا۔ وہ آخری یاد جو یاد تھی۔ وہ منظر جسکے بعد بس تاریکی تھی۔

اس نے ایک بار پھر آنکھیں کھول کر وہ پورے کا پورا منظر دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ وہ صحرا جانے کیسے سمندر میں تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ صحرا میں جھلستا وجود جانے کہاں رہ گیا تھا۔ وہ برف باری بھی زرد کرنوں میں ڈھل چکی تھی۔ تبھی اس نے

اپنے نزدیک وہ آہٹ محسوس کی تھی۔ اسکے پاس گیلی ریت پہ وہ قدموں کے نشان تھے۔ ایک بار پھر سے عیث نے آنکھیں کھولیں۔ وہ دھندلے سے منظر میں ایک چہرہ تھا۔

"میں کک۔۔۔۔ کہاں۔۔۔۔"

اس نے اس وجود کو وہیں اپنے پاس پایا تھا۔ گیلی ریت کی کوکھ میں سانس لیتا سمندر اسکے وجود میں ٹھنڈک سی بھر رہا تھا۔

"یہ کونسی جگہ ہے۔۔۔۔۔"

وہ بمشکل بول پایا تھا۔

"اوشارہ"

راجمار عیث کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو اس جھونپڑے میں پایا تھا۔ وہ نرم سا بستر تھا جس پہ وہ کاف اوڑھے لیٹا تھا۔ آنکھیں کھلنے سے ذہن بیدار ہونے تک وہ لیٹا اس جھونپڑی کی چھت کو گھورتا رہا تھا جس کو کمال مہارت سے بُنا گیا تھا۔ پھر وہ ہولے سے اٹھ بیٹھا۔ چھوٹی سی رہائش میں بستر کے پاس رکھی تپائی پہ کھانے کی

کچھ اشیاء موجود تھیں۔ پھل اور مشروب کی صراحی۔ ایک طرف کچھ صندوقے رکھے تھے، چند اور چیزیں اور بس۔

عمیٹ نے گہری سانس بھری اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ہولے ہولے چلتا بیرونی دروازے تک آیا اور اس باریک پردے کو ہٹا کر باہر نکل آیا۔
"اوشارہ"

اسے یاد تھا کہ اس نسوانی آواز نے اسے یہی بتایا تھا۔ وہ اوشارہ ہی تھا۔ سادھوؤں کا گاؤں۔ سنیا سیوں کی سلطنت۔ اس نے دیکھا دور تک جھونپڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ اینٹ اور پتھر کی کوئی عمارت نہیں تھی۔ مٹی گنارے کی چنائی سے عاری، سرکنڈوں اور گھاس پھوس سے بنائی گئیں وہ جھونپڑیاں ہی اوشارہ کا کل تھیں۔ غدار سی ٹھنڈی ریت پہ ننگے پاؤں چلتا وہ ان جھونپڑیوں کے درمیان سے گزرتا دور آگیا۔ ہر کوئی اپنے اپنے کام میں مصروف تھا۔ وہاں کی زندگی اپنی رفتار سے رواں تھی۔ کئی ایک جگہ دھواں اٹھ رہا تھا، پکوان کی خوشبو فضا میں شامل ہو رہی تھی۔ کہیں کوئی اپنے مویشیوں کی سیوا میں لگا تھا۔

اوشارہ کی سلطنت پہ تنا آسمان کہانیوں کے عین مطابق زرد رنگ کا تھاجس میں جگہ جگہ نارنجی روشنیاں دکھائی دیتی تھیں۔ وہ راجکمار آخر کار اپنی منزل تک پہنچ ہی گیا تھا۔

یونہی چلتے چلتے وہ ساحل تک پہنچ گیا تھا۔

دور تک نارنجی پانی کی لہریں ٹھاٹھیں مار رہی تھیں۔ لہریں جو اس پار ساحل کی ریت کو گیلی محبتوں سے نوازنے آتی تھیں۔ سفید بگلوں کے غول کے غول ہوا میں اڑے پھر رہے تھے۔ ساحل پہ کئی ایک سیپ پڑے تھے جو سمندر نے اپنے دامن سے نکال کر ساحل کے حوالے کئے تھے۔ ست رنگی کنار یوں والے سفید سیپ جو زرد روشنی میں خوب چمکتے تھے۔

وہ وہیں تھاجس اس نے اپنی پشت پہ گاؤں سے آتی وہ تیز آواز سنی تھی۔ کوئی نقارے جیسا ساز بجا رہا تھا جس کے ساتھ پھر وہ ڈھول کی دھمک بھی شامل ہوتی چلی گئی تھی۔ راجکمار عیث نے دیکھا سادھوؤں کا ہجوم سمندر کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ ہم رنگ زرد نارنجی چولے پہنے، ہاتھوں میں تھال لئیے، اس تھاپ پہ رقصاں، بچے بوڑھے جوان سبھی اسکی طرف رواں دواں تھے۔ عورتیں اور لڑکیاں نارنجی

پھولوں کے ہار اور گجرے پہنے، اپنی زبان میں گیت گارہی تھیں۔ وہ گارہی تھیں اور اپنے مردوں کے سنگ اس آواز کے ساتھ ساتھ رقص بھی کر رہی تھیں۔ تبھی راجکمار عیث نے اُسے دیکھا۔

وہ وہی تھی جو اسے پہلی ملاقات میں دکھائی دی تھی۔ وہ چہرہ بھلے دھندلا تھا پر وہ آنکھیں صاف دکھائی دی تھیں۔ وہ جو اس ڈوبتی شام جیسی ہی تھیں۔ وہ کہ جن سے کوئی مفہوم اخذ کرنا سہل نہیں تھا۔ کاجل کی گہری سیاہی میں بھی نارنجی چمک تھی اور زرد سی روشنی تھی۔ وہ پلکیں جن کے جھپکنے سے دن اور رات بدلتے تھے۔ اپنی ساتھنوں کی طرح، ہم رنگ لباس پہنے، وہ بارک سی ریشمی چڑماتھے پہ ڈالے، ہاتھ میں تھال پکڑے وہ بھی ساحل کی اور ہی آرہی تھی۔ کلائیوں میں نارنجی پھولوں کا گجرہ، گلے میں زرد کلیوں کی مالا ڈالے وہ اس شام کی تفسیر کرتی تھی۔ وہ شام جو اپنے جو بن سے ہوتے ہوئے اب پیری کی اور بڑھ رہی تھی۔ راجکمار عیث نے آسمان پہ پھیلی زردیوں کو گہرا ہوتے دیکھا تھا۔ اس نے دیکھا سورج ہولے ہولے سمندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ جو کہانیاں کہتی تھیں کہ شام ڈھلے سورج اور اشارہ کے سمندروں میں سو جاتا ہے، اب حقیقت میں ہونے کو تھا۔

سادھوؤں کا رقص جاری تھی۔ فضا میں وہ دُھن گونج رہی تھی۔ ساحل پہ وہ کئی ایک پیر اس تھاپ پہ رقصاں تھے۔ وہ سب ویسے ہی جاری رہا یہاں تک کہ سورج آسمان کے آخری کنارے سے پھسلتا ہوا سمندر میں اترنے لگا تھا۔

پانی نارنجی ہونے لگے۔ سورج قطرہ قطرہ پگھلتا رہا۔ لہریں ساحل سے ٹکرا ٹکرا کر جھومتی رہیں۔ ڈھول بجتا رہا۔ رقص جاری رہا۔ آسمان پیلا پڑتا گیا۔ سورج پانی میں تحلیل ہو گیا۔

سادھوؤں نے سبھی تھال پانیوں کے سپرد کر دیئے تھے۔ اب وہ سب مل کر، ایک زبان ہو کر مناجات کرنے میں مصروف تھے۔ اوشارہ باسیوں کا وہ گروہ، سمندر کنارے اس ساحل پہ ایک ساتھ سجدے میں جا چکا تھا۔

"اوشارہ کی پاک سرزمین پہ تمہارا آنا خوش قسمتی ہے مہمان"

وہ ادھیڑ عمر جوگی اسکا میزبان تھا۔ اسی کی جو نیپڑی میں عیث نے خود کو پایا تھا۔ اس شام کی عبادت کے بعد وہ راجکمار کو اپنے ساتھ واپس جھونپڑی پہ لے آیا تھا۔

"میرا نام فلاں ہے اور یہ میری بیٹی ہے۔ پار شے"

وہ لباس شائد مناجات کے لئے خاص تھا کہ اب وہ سادہ زرد لباس میں تھی۔ بالوں میں البتہ ابھی تک نارنجی کلیاں گندھی ہوئی تھیں۔ ایک خوان میں کھانے کے دو پیالے سجائے وہ دسترخوان پہ رکھ گئی تھی۔

"تم پارشے کو ساحل پہ ملے تھے۔ تمہاری حالت دیکھ کر کوئی بھی بتا سکتا تھا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ دیوتا سر جان اپنا قہر تیشیان کے اس مکار پہ نازل کرے اس نے مسافروں کو پریشان کر رکھا ہے"

عمیث خاموش رہا

"کہاں سے آئے ہو؟"

اس نے ایک بار پھر سے سچ کو چھپانا ضروری سمجھا

"تاجر ہوں، تجارت کی غرض سے اوشارہ سے گزر ضروری تھا پر تیشیان نے سب کچھ چھین لیا۔"

www.urdu novels mania.com

"میں حیران ہو مہمان"

فلاف نے اس دیکھا

"عرصہ ہوا تیشیان کی سمت سے کوئی بچ کر ادھر نہیں آیا۔ جو بھی اس کی زمین سے گزرا، اسکی مکاریوں کے جال میں پھنس کر اسی صحرا میں دفن ہو گیا یا اسے برف نے

نگل لیا۔ چٹانوں نے عرصہ ہوا کسی کو راستہ نہیں دیا، ہم نے عرصہ ہوا اس اور سے کسی مہمان کو اشارہ آتے نہیں دیکھا۔ تو میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم نے یہ کیسے کیا مہمان ؟؟؟؟

عمیث دھیمے سے مسکرایا اور کندھے اچکا دیئے
"جیسا کہ آپ نے کہا شائد میں خوش قسمت ہوں"
فلاف ہنس دیا۔

"خیر جو بھی ہو۔ اب تم اشارہ کے مہمان ہو، میرے مہمان ہو۔ جب تک دل چاہے قیام کرو۔ صحت بحال ہونے تک یہاں سے جانے کا سوچنا بھی مت"
وہ پکوان سچ میں لذیذ تھے۔ عمیث نے رغبت سے کھانا کھایا تھا۔ یہ سچ تھا کہ اتنے دنوں بعد پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہوا تھا۔

www.urdu-novelsmania.com

رات ہو لے ہو لے اشارہ کی نارنجی روشنیاں نگل چلی تھی۔ وہ آسمان جہاں کبھی سورج پگھلا تھا، اب وہاں چاندی کے پگھلے ہوئے ذرات جیسے تارے چمک رہے تھے۔ عمیث یونہی چہل قدمی کو سمندر کی اور نکلا تھا جہاں نمدار ٹھنڈی سی ہوا کے ساتھ اسکا سامنا اپنی میزبان سے بھی ہوا تھا۔

وہ ایک ٹوکری میں سیپ جمع کر رہی تھی جب آہٹ پہ چونک اٹھی۔ عیث کو دیکھا اور پھر آنچل سنبھال کر ٹوکری ریت پہ رکھ دی۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے اب"

"میں ٹھیک ہوں اور آپ کا شکر گزار ہوں"

سیاہ رات میں وہ سیاہ آنکھیں اپنی دمک میں تاروں کے مقابلے پہ تھیں۔ عیث نے اوشارہ کی بس ان دو آنکھوں کے حسن کو فک کی خوبصورتیوں پہ حاوی پایا تھا۔ جانے کیا بات تھی، جانے کیسی کشش تھی کہ اس کا دل بس ان آنکھوں کو دیکھتے رہنے کو چاہتا تھا۔

"دور سے آئے مسافروں کی مدد ہی تو ہماری حیات کا مقصد ہے مہمان"

عیث ہولے سے مسکرایا

"اس مہمان کا ایک نام بھی ہے جو کسی نے پوچھا تک نہیں"

"ہم کسی سے کچھ نہیں پوچھتے مہمان۔ کسی کی ٹوہ نہیں لگاتے۔ جو دیکھ لیا بس کافی ہے، زیادہ سے زیادہ جاننے کی خواہش اور تجسس ہماری سرشت میں ہی نہیں ہے"

عمیث نے جھک کر ریت پہ پڑا وہ سیپ اٹھایا۔ سمندر کی کوکھ سے جنم لینے والا وہ
حسن اندھیرے میں بھی چمکتا تھا۔ آگے بڑھ کر اس نے وہ سیپ پارشے کی ٹوکری
میں ڈال دیا تھا

"میرا نام عمیث ہے"

اس نے گردن کو ہولے سے خم دیا۔ عمیث نے سینے پہ ہاتھ رکھا اور ویسے ہی خیر
مقدم کے سے انداز میں سر جھکایا تھا۔

اوشارہ میں زندگی بہت سادہ تھی۔

وہاں زیادہ تر تو سادہ تھے جنہوں نے زندگی میں ہر شے تیاگ دی تھی اور اب بس
مناجات اور عبادت ہی انکی زندگی کا واحد مقصد تھا۔ سورج ان کے لئے عبادتوں کا
مرکز تھا اور ساری تعریفیں اسی کے لئے تھیں۔ اس چھوٹی سی سلطنت میں جو
ساحل کنارے آباد تھی، دنیا کی کوئی برائی نہیں تھی۔ لالچ، بغض، مکاریاں،
جھوٹ اور ایسی کوئی قباحت ان میں نہیں تھی۔ سادہ اور مطمئن زندگی۔ اور وہ اسی
میں راضی تھے۔

ویسی ہی زندگی اسکے میزبان گھرانے کی تھی۔ دوباپ بیٹی پہ مشتمل وہ گھر۔ فلاں پیشے سے حکیم تھا اور پارشے سیپ سے برتن اور دوسری اشیاء بناتی تھی۔ اس جھونپڑی میں اکثر چیزیں اسکی تخلیق کردہ ہی تھیں۔ عیث کے ساتھ ان سب کا رویہ حد سے زیادہ دوستانہ تھا۔ اسکی مہمان کی طرح خوب آؤ بھگت کی گئی تھی، اسکی کمزوری اور بیماری کا علاج دجھمی سے ہو رہا تھا۔ یہ فلاں کی ہی کاوشوں کا اثر تھا کہ دو ہی دن میں وہ خود کو پہلے سا توانا محسوس کرنے لگا تھا۔ اس گھر کی اپنائیت تھی کہ وہ ان میں گھل مل گیا تھا۔ فلاں نے اس کئی جڑی بوٹیوں کے بارے میں بتایا تھا، بہت ساری دواؤں کے استعمال اور بیماریوں کے بارے میں علم دیا تھا۔ پارشے سے اس نے سیپ جوڑ کر گھروندے بنانا سیکھا تھا۔ وہ مہارت سے سیپ کو کسی بھی شے میں ڈھال دیتی اور وہ حسین چیزیں تخلیق ہوتے دیکھتا تھا۔

"تم لاجواب ہو"

وہ بے اختیار اسکی تعریف کرتا اور وہ جھینپ جاتی تھی۔ اس جھینپ جانے میں بھی نزاکت تھی۔ بالکل ویسے ہی جیسے اسے عیث کہہ کر پکارنے میں تھی، ساحل کنارے سیپ جمع کرنے میں تھی، پھوان پکانے میں تھی اور شام ڈھلے عبادت کرتے سمے تھی۔

"تمہارے لئیے زندگی میں سب سے اہم کیا ہے پارٹے؟"

اس شام عیث نے اس سے پوچھا تھا۔ وہ اسکے ساتھ ساحل پہ سیپ اٹھے کرنے آیا تھا۔

"اوشارہ"

"اسکے لئیے تم کس حد تک جا سکتی ہو؟"

"اوشارہ کے لئیے میری کوئی حد نہیں ہے عیث"

وہ ہولے سے مسکرائی

"خیریت تو ہے؟ اس سوال کا یوں اچانک کیا مطلب ہوا؟؟؟؟؟"

عیث شرارت سے مسکرایا

"اچھا تو میرے آنے سے کوئی تبدیلی تو آئی ہے۔ اوشارہ باسی اب سوال پوچھنے

لگے ہیں"

وہ جھینپ گئی۔ عیث نے اسے بغور دیکھا

"میری زندگی میں بھی کوئی ہے جو میرے لئیے اتنا ہی اہم ہے کہ اسکے لئیے میں نے ہر حد کو پار کرنے کا عہد کیا ہے۔ اسکی حیات کے لئیے، اسکی حیات کی تلاش

میں ایک سفر ہے جو شروع کیا ہے اور اب مجھے اطلاع ہے کہ شائد میرا سفر رائیگاں ٹھہرے گا"

اسے آج دن میں ہی تو پیغام ملا تھا۔ ماہاسان کی اور سے وہ سنہری پرندہ ساحل پہ دیکھا گیا تھا۔ عیث نے اسکے پنچوں میں بندھا وہ پیغام کئی بار پڑھا تھا۔
"اس کے لئے جو یہ سمجھ سکے۔ بیمار اپنی بیماری کی آخری حد پہ ہے۔ اس تک اگر جو یہ پیغام پہنچے تو وہ اسے حکم سمجھے اور لوٹ آئے۔ اس سفر کی کوئی منزل نہیں ہے میرے بیٹے"

وہ بے چین ہو گیا۔ تو کیا اتنے بے تحاشا دنوں کے اس سفر کا کوئی مقصد ہی نہیں تھا۔

"مجھے نہیں پتہ کیا کیوں اور کیسے لیکن۔۔۔۔ کیا میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں عیث
؟؟؟ کسی بھی صورت یہ ممکن ہو کہ اشارہ کسی کے کام آ سکے ؟؟؟"

عیث نے اسے بغور دیکھا

"تم شاناب کے بارے میں کیا جانتی ہو ؟؟؟؟"

"دنیا کی ہر بیماری کا علاج ممکن ہے مہمان، یہ سچ ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا کی ہر بیماری کا انت موت ہے۔ تم بیماری سے لڑ سکتے ہو، اسے شکست دے سکتے ہو لیکن یہ تم ہمیشہ تک نہیں کر سکتے ہو۔ موت نے جیتنا ہی ہوتا ہے، اب نہیں تو تب، تب نہیں تو کبھی نا کبھی"

فلاف نے رسان سے کہا تھا۔ وہ جھونپڑی میں اس کے سامنے دو زانو بیٹھا تھا۔ اپنے شہزادے اور ماہسان سے ہونے کا سچ چھپا کر اس نے باقی سارا قصہ اسے کہہ سنایا تھا۔ یہ بھی کہ شاناب کی تلاش اسے اوشارہ تک لائی تھی۔

"میں نے اپنی زندگی میں بہت سی کہانیاں سنی اور پڑھی ہیں میرے بچے۔ بہت دلچسپ قصے۔ میں تمہیں یہی کہوں گا کہ شاناب بھی ایک کتھا ہے۔ اس دنیا میں کسی بھی انسان کی، بڑے سے بڑی قربانی بھی دیوتاؤں کو ایسا سمجھ نہیں دے سکتی کہ وہ انسان کو اپنا ہم پلہ بنا دیں۔ انسان دیوتا ہے نا ہو سکتا ہے۔ ویسے ہی جیسے حیات دے سکتا ہے نا لے سکتا ہے۔ دیوتاؤں نے اگر کبھی کسی انسان کو شاناب سا تحفہ بخشا بھی تھا تو میرے خیال سے واپس بھی لے لیا ہوگا۔ میری اتنی زندگی میں، میرے علم میں ایسی کوئی شے دنیا میں موجود نہیں ہے"

وہ کھنکارا

"اور وہ جو کہتے ہیں کہ کچھ ہے جو ہر شے پہ برتر ہے۔ ہر ریاست پہ، ہر انسان، ہر تخلیق پہ، موت پہ زندگی پہ، پھر وہ کیا ہے ؟؟؟؟"

فلاف مسکرایا

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ کوئی کسی پہ برتر نہیں ہے۔ زندگی موت پہ اور نا ہی موت زندگی پہ۔ کوئی مخلوق دوسری پہ نہیں، کوئی ریاست دوسری ریاست پہ نہیں۔ ہر کوئی اہم ہے اور اپنی اہمیت کے باعث کسی سے کم نہیں۔ تم میں اور یہ کائنات، ہم سب جتنے غیر اہم ہیں اتنے ہی اہم بھی ہیں"

وہ چپ رہ گیا۔ تو کیا واقعی میں وہ بے بس تھا؟

"اداس مت ہو، مایوس مت ہو مہمان۔ میرا مقصد تمہاری امید توڑنا نہیں ہے۔ امیدیں باندھو لیکن حقیقت سے بھی نظریں مت موڑو۔ مجھے بتاؤ، اس بیماری کے بارے میں، ہر ایک چیز کے بارے میں۔ شاید میں کوئی تریاق بنا سکوں جو اس زہر کا توڑ کر سکے"

اس شام وہ اوشارہ باسیوں کے ساتھ عبادت کے لئے ساحل پہ آیا تھا۔ وہاں آنے کی وجہ بھی بس وہ تھی۔ وہ اسکے لئے اپنے لوگوں جیسا نارنجی چوہ لائی تھی۔ سیپ سے بنی مالا اور زرد پھولوں کا تھا۔

"تم میرے ساتھ عبادت کے لئے چلو گے؟؟"

یہ پہلا سوال تھا جو پارشے نے اس سے کیا تھا۔ اتنے دن کی مدارت کے بعد، اتنے دنوں کی بے غرض خدمت کے بدلے وہ بے ضرر سی خواہش تھی جس کی تکمیل کو راجکار عیث نے فرض سمجھا تھا۔ وہ جب اس سے پوچھ رہی تھی تو ان آنکھوں میں بستے سمندر پہ چھائی روشنیوں کو وہ ماند پڑتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ تو وہ اسکے ساتھ، بس اسکے لئے آیا تھا۔

نقارہ پیٹا گیا۔ ڈھول کی تھاپ پہ رقص شروع ہوا۔ عیث نے اسے دیکھا تو وہ دھیمے سے مسکرا دی۔ عیث نے ہولے سے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ سورج قطرہ قطرہ پگھلنے لگا تھا۔ نارنجی اور زرد پتیوں سے بھرا تھا تھا مے وہ اسکے پہلو میں کھڑی تھی۔

"وہ انسان ہے اور نا ہی کوئی ماسٹر۔ کوئی چرند نا پرند۔ خاک نا پتھر، ریت نا ہی پان۔ ہوا نا برف نا بارش۔"

اسے وہ کہانی یاد تھی۔ اب جب اس نے وہ ڈوبتا سورج دیکھا تو اسے یاد آ رہا تھا۔

اسے وہ سطریں یاد تھیں جو شاناب کے بارے میں لکھی گئی تھیں۔

"وہ جو زندہ ہے ناہی مُردوں میں سے ہے۔ آگ ہے اور ناہی پانی ہے۔

اندھیروں میں اجالا، موت کے لئے زندگی"

ڈھول پیٹا جا رہا تھا۔ اسکی تھاپ پہ رقص جاری تھی۔ بچے، جوان اور بوڑھے اپنی

اپنی مناجات میں مصروف تھے۔ فضا میں پھولوں کی پتیاں اڑی پھر رہی تھیں۔

نارنجی زرد روشنیوں تلے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"وہ جو سب سے اوپر ہے۔ ماہاسان کی بزرگی پہ، فجک کے حسن پہ، اوشارہ کی

روشنیوں پہ، میرانہ کے خزانوں پہ"

عیش نے دیکھا سورج آدھے سے زیادہ ڈوب چکا تھا۔ وہ جو سارا دن جانے کہاں

کہاں زندگی بانٹ چکا تھا۔ جو زندہ تھا ہی مُردہ تھا۔ وہ جسکا شمار انسان، ماسٹر، چرند

پرند میں نہیں ہوتا تھا۔ وہ جسکا ہونا اندھیروں میں روشنیوں کا سبب تھا۔ وہ جو سب

سے اوپر تھا، سب پہ برتر تھا۔

اس نے گہری سانس بھری۔ تو وہ اسکی منزل تھا۔ تو وہ شاناب تھا۔

سادھوؤں کا ہجوم، اوشارہ باسی سورج کے غروب ہوتے ہی ساحل کی ریت پہ
سجدے میں جا چکے تھے۔ راجکمار عیث تنہا کھڑا رہ گیا تھا۔

فلاف نے اس سے جھوٹ بولا تھا۔

اس جیسا سنیا سی کیونکر اس بارے میں نہیں جانتا ہوگا۔ اس نے ایک عمر اوشارہ
میں گزار دی تھی۔ اس نے کیسے یہ نہیں سمجھا کہ انکے سمندر میں کیسا نایاب رتن رہتا
تھا۔ وہ سب سادھوؤں کا روپ دھارے، اس دیوتا کی آڑھ میں اس شاناب کے
ہی تو سیوک تھے۔

اس رات کے دوسرے پہر وہ ساحل پہ پہنچا تھا۔ اس سے اوشارہ باسی سکون کی
نیند سو رہے تھے۔ سمندر پر سکون تھا۔ آسمان تاروں سے بھرا تھا۔
راجکمار عیث نے بڑی دیر تک سوچا اور پھر سمندر کی اور بڑھنے لگا تھا۔ جوں جوں وہ
آگے بڑھتا گیا، پانی گہرا ہونے لگا تھا۔ وہ چلتا رہا یہاں تک کہ پانی اسکی گردن تک
پہنچ گیا۔ وہ تیرنے لگا تھا۔ تیرتا رہا تھا۔ وہ اس سمندر کا راز جان لینا چاہتا تھا۔

اسے یاد تھا اس نے فلاف سے پوچھا تھا

"اس سمندر کے اس پار کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں"

وہ سادہ لہجے میں بولا تھا۔

"یہ دنیا کا آخری کونا ہے۔ اسکے پار کوئی پہنچنا پہنچ سکتا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ یہ اس دنیا کی آخری حد ہے۔ اسکے اُس پار کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔۔۔"

تو اب عیث نے اسے بھی جھوٹ مانا۔ وہ تیرتا رہا۔ وہ اس سمندر کے دوسرے پار تک جانا چاہتا تھا۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ "کچھ بھی نہیں" حقیقت میں کیا ہے۔ بہت دیر تک تیرتے رہنے کے بعد وہ وہاں پہنچا تھا۔

وہاں سمندر میں نارنجی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ زرد نارنجی اور سرخی مائل پانی جسے رات کے اندھیروں سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ عیث نے لمبا سانس لیا اور پانی میں اندر کی طرف ڈبکی لگائی۔ وہ روشنی گہرائی میں نیچے دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ تیرتے تیرتے اس روشنی کے منبع تک پہنچا تھا۔

وہ سیپ تھا جسکے بند کناروں سے وہ روشنی نکل رہی تھی۔ وہ اس تک پہنچا۔ نارنجی بلبے سیپ کے ایک ادھ کھلے حصے سے نکل رہے تھے۔ ہولے سے آگے بڑھ کر

اس نے اس سیپ کو چھوا۔ اسکی حرارت پانی سے کہیں زیادہ تھی۔ راجکمار عمیث دم بخود رہ گیا۔

وہ اوشارہ کے پانیوں کا راز جان چکا تھا۔ وہ شاناب کھوج چکا تھا۔ اس نے وہ رمز سمجھ لی تھی۔ وہ سورج تھا جو اس سیپ میں ننھے سے موتی کی صورت دمک رہا تھا۔

سمندر میں بھونچال آگیا تھا۔

لہریں ہپھر نے لگیں، گہرے پانیوں کی تہ میں افرا تفری کا عالم تھا۔ عمیث نے وہ سیپ اپنے کپڑوں میں چھپایا اور جلدی سے اوپر کی طرف تیرنے لگا۔ آسمان پہ بجلیاں کڑکنے لگی تھیں۔ ستارے بادلوں کے پیچھے چھپ گئے اور لمحوں میں بارش برسنے لگی تھی۔ اسے ہپھرے پانیوں میں تیرنا مشکل لگنے لگا۔ اوشارہ کی بستی میں بھی افرا تفری مچی ہوئی تھی۔ سادھوؤں کی ٹولیاں روتی پیٹتی ہوئی سمندر کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر عمیث پانی سے نکلا اور ایک چٹان کی اوٹ میں ہو گیا۔

"ہائے بربادی، ہائے بربادی"

جوگی سر پہ ہاتھ مارا ماتم کناں تھے۔ غصے میں آگ بجولہ سمندر بستی کی اور بڑھ رہا تھا۔ فضا میں بچوں اور عورتوں کے چیخ پکار کی آوازیں تھیں۔ برستی بارش اور غضبناک پانی ہر شے تھس تھس کرنے پہ تئلے ہوئے تھے۔

"کسی نے دیوتا سر جان کو غصہ دلایا ہے۔ ہماری کعبتہتی ہے، ہائے بربادی ہے"

روتے پیٹتے سادھواپنی ہائے پکار میں لگے تھے۔

"یہ تو نشانیاں ہیں کہ چوری ہوئی ہے۔ تم نے دیکھا نہیں سمندر نے کبھی وعدہ خلائی نہیں کی ہے۔ یہ اب کہ جو غضبناک ہے، یقیناً بہت کچھ برا ہوا ہے"

چٹان کے پیچھے چھپا عیث بارش میں بھیگ چکا تھا۔ اسکے گیلے کپڑوں سے ریت چمکی ہوئی تھی۔ اس نے گہرے سانس لیتے ہوئے جیب کو تھپتھپایا۔ وہ سیپ محفوظ تھا۔ اس نے اوٹ سے دیکھا۔

سادھواپنی عبادت میں مصروف ہو چکے تھے۔ وہ کچھ بھی کر کے دیوتا کو شانت کر دینا چاہتے تھے۔ سمندر اوشارہ کی بستی تک پہنچ چکا تھا۔ چیخ و پکار میں، اوشارہ باسی محفوظ ٹھکانے کی تلاش میں بھاگ رہے تھے۔ یہی صحیح وقت ہوتا اور وہ اوشارہ سے نکل جاتا۔ اسے یہی کرنا تھا مگر جانے سے پہلے وہ آخری کام تھا جو اس نے ضروری سمجھا تھا۔ اسے پار شے سے ملنا تھا۔

"تو۔۔۔ تو یہ سب تم نے کیا ہے ؟؟؟"

وہ حق دق رہ گئی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ دیوتاؤں کے غضبناک ہونے کی وجہ وہ تھا۔ راجکمار عیث نے آگے بڑھ کر ہولے سے اسکے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئیے تھے۔

"تم نے ہی کہا تھا ناں کہ اپنی اپنی محبتوں میں ہر حد سے گزر جاتے ہیں۔ تو دیکھو، یہ دیوتا، یہ سورج چاند میری حد نہیں ہیں"

وہ ویسے ہی اسے دیکھتی رہ گئی۔ وہ سیاہ آنکھیں جنہیں وہ پہلے دن بھی نہیں پڑھ سکا تھا، آج بھی ان میں لکھی تحریر پڑھنے سے قاصر تھا۔

"اوشارہ تباہ ہو جائے گا عیث۔ میرا گھر تباہ ہو جائے گا۔ یہ سب جو ہوا، اس سے سب ختم ہو جائے گا"

عیث نے ایک گہری سانس بھری تھی۔

"تمہیں پتہ ہے میں تمہارے لئے کیا محسوس کرتا ہوں۔ فلاں کی بیٹی، تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں تمہیں کیسے دیکھتا ہوں۔ جانتی ہوں ناں میں تم سے کیا کہنے والا ہوں

"؟؟؟؟؟"

وہ زرار کا

"میرے ساتھ چلو۔۔۔ میرے گھر، میری ساتھی بن کر"

پارشنے نے دیکھا۔

آسمان قمر ڈھانے پہ ٹلنا تھا۔ سیاہ آسمان سے برستی بارش جلد اوشارہ کو نگلنے والی تھی۔ وہ یہ نا بھی کرتی تو وہ سمندر ایسا کر دیتا۔ سادھوؤں کی عبادتیں جاری تھیں۔ کئی ایک جوگی سمندر میں کود کر، اپنی جان کی قربانی دیکر دیوتاؤں کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی ناکام کوشش کر چکے تھے۔ اسے باپ کی تلاش تھی جو نجانے کہاں تھا۔

"میرے ساتھ چلو۔ میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں اپنے کسی فیصلے پہ پچھتنا نا نہیں پڑے گا۔ گھر چھوڑنے کے فیصلے پہ اور نا ہی میرا دل قبول کرنے کے فیصلے پہ۔"

اس رات اوشارہ چھوڑتے ہوئے راجکمار عیث کو باپ کی نصیحت اچھے سے یاد تھی۔ اس نے سن رکھا تھا کہ ورداس کی وادی کا سفر کیا مطلب رکھتا تھا۔ اسکے باوجود بھی واپسی کے لئے اس نے اسی سفر کا انتخاب کیا تھا۔ وہ راستہ مختصر تھا اور اب اسے جلد از جلد گھر پہنچنا تھا۔

باب پنجم: ورداس

بشیان کے پانیوں پہ تنا آسمان سیاہ ہی رہا تھا۔ اسکے دامن میں چمکتے ہوئے ستارے ویسے ہی رہے تھے۔ سیاہیاں سرمئی ناہوئیں اور ناہی روشنیوں کی کوئی رمق دکھائی دی تھی۔ ماسٹر کی پہاڑیوں کو ویسے ہی اندھیروں نے ڈھانپ رکھا تھا۔

ویسے ہی اندھیروں نے ماہاسان کی سلطنت پہ قبضہ کئے رکھا تھا۔ دن طلوع ہونے کا سہم ہو چکا تھا پر دن کی شروعات کی علامتی روشنیاں نثار دتھیں۔ محل کے اونچے میناروں پہ دیپک جلتے رہے تھے۔

ویسے ہی دیپک کے شہر میں روشنیاں پھیلاتے رہے۔ ایسے ہی لگتا تھا کہ رات ہی ہے۔ وہی ہو ہو۔ ویسی ہی اندھیری مگر خوبصورت رات جو فک کے آسمان پہ روز جنم لیتی تھی۔ جگنوؤں کے غول تھک ہار سوچکے اور تتلیاں بیدار ہو گئیں لیکن انکی پیاس بجھانے کو کلیاں پھول نا بن سکیں۔ باغچے میں پریشان سی یسنا آسمان کو گھورتی رہی۔

جیسے تشیان کا ریگستان اس سیاہ آسمان کو گھور رہا تھا۔ ریت پہ جمی برف کی باریک سی تہہ پگھلنے کو تیار تھی پر اسکو توانائی فراہم کرنے کا منبع نثار دتھا۔ نمر وچ کے

کھنڈرات سے کیتک کی جھونپڑی تک سناٹے کے ساتھ ساتھ اندھیروں کا بھی راج تھا۔

اور اشارہ پہ سمندر کی پھری لہروں کا راج تھا۔ پانی غضبناک تھے۔ سلطنت کا ایک بڑا حصہ پانی میں بہہ چکا تھا۔ اندھیروں میں بہتے پانی میں جھونپڑیاں اپنے نشانات کھونے لگی تھیں۔

گھوڑے پہ سوار عیث نے مڑ کر دیکھا۔

کچھ ہی فاصلے پہ، دوسرے گھوڑے پہ سوار پارشے دور آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ وہاں جہاں دیوتا سر جان کو طلوع ہونا تھا۔ اسے شاناب بھی امید تھی کہ وہ سب جھوٹ ہے اور دن کے طلوع ہوتے ہی سب پہلے جیسا ہو جائے گا۔ عیث نے گہری سانس بھری اور اپنے لباس میں محفوظ اس سیپ کی موجودگی کو محسوس کیا۔ اندھیروں کا توں تھا۔ آسمان سے سیاہی برس رہی تھی اور فضا میں عجیب سی بے چینی بھرتی جا رہی تھی۔ گھوڑے بھی سست روی کا شکار تھے۔

"بس تھوڑی سی مسافت اور میرے دوست"

اس نے گھوڑے کو گردن کے پاس ہولے سے تھپتھپایا تھا۔

ریشہ کے بازار میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔

پریشانی کے عالم میں مردوزن گھروں سے نکل آئے تھے۔ ہر سو سرا سیمکی پھیلی ہوئی تھی۔ ہر کوئی پریشان نظروں سے آسمان کو دیکھتا تھا اور ایک ہی سوال پوچھتا تھا۔

"یہ رات کب ختم ہوگی؟؟؟ دیکھو تو، ستارے کب سے چمک رہے ہیں"

"یہ رات نہیں ہے"

وہ بوڑھا آدمی کہہ رہا تھا

"میرا اتنے سالوں کا حساب ہے۔ رات اتنی دیر تک ڈھل چکی ہوتی ہے۔ میری مانو تو یہ عذاب ہے"

ہر کوئی اپنے اپنے حساب لگانے میں لگا ہوا تھا۔

"دیوتاؤں کو ناراض کیا گیا ہے۔ اب ہم سے ہر نعمت چھین لی جائے گی۔

روشنی، پانی، ہوا۔ ہمیں تڑپا تڑپا کر فنا کر دیا جائے گا"

راجمار عیث نے اس سرائے میں داخل ہوتے ہی چار سو نظریں دوڑائی تھیں۔

نشستیں خالی تھیں۔ میزوں پہ روشن دیکپ آخری سانس لے رہے تھے۔

"سارا شہر پاگل ہو چکا ہے۔ یہ چیخ و پکار اور بلا وجہ کا شور"

وہ واحد انسان تھا جو سکون سے میز کے دوسری طرف کھڑا تھا۔ رکابیاں ایک ترتیب سے رکھتا ہوا، وہ عیث کو دیکھتا بول رہا تھا۔

"زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا، سب مرجائیں گے؟ تو ہمیشہ تک جی کر بھی کیا کریں گے

؟؟؟؟"

پارشے نے سر سے چونہ اتارا۔ عیث نے ایک کرسی کھینچی اور سرائے کے مالک کو دیکھا۔

"کھانا اور آرام کی جگہ"

"ہاں کیوں نہیں"

وہ خوشدلی سے بولا تھا۔

اوشارہ کے مقابلے ریشہ شہر پتھر ملی عمارتوں پہ مشتمل تھا۔ انہیں اپنی اس خوبی پہ غرور بھی تھا۔ ریشہ باسی بانگِ دہل کہتے تھے کہ وہ جنگلیوں کی طرح سرکنڈوں سے بنے جھونپڑوں میں نہیں رہتے بلکہ پتھروں سے تراشے گھروں میں رہتے تھے۔

خوبصورت پتھروں سے بنے گھر جواب تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ پتھر کاٹ کر بنائے گئے راستے، گلیاں اور بازار۔

"تم مجھ سے ناراض ہو پار شے ؟؟؟؟"

عمیث نے اس سے پوچھا تھا۔ وہ سر ائے سے نکلے تھے۔ گھوڑے اسٹبل میں تھے۔ کچھ گھڑیاں وہاں رکنے کے بعد سفر جاری رکھنے کا ارادہ تھا۔
"نہیں"

وہ آہستگی سے بولی تھی۔

"جھوٹ بول رہی ہو ؟؟؟؟"

راجکمار نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اوشارہ کی نارنجی روشنیوں کو تاریکی نے چُرا لیا تھا۔

"میں وہ ہوں جسکی وجہ سے تمہارا گھر چھن گیا۔ تمہاری سلطنت برباد ہو گئی اور تمہارے اپنے تم سے بچھڑ گئے۔ تم مجھ سے ناراض ہوناں ؟؟؟؟؟؟"

وہ کچھ دیر خاموش رہی

"اوشارہ سے یہاں تک سارا راستہ میں خاموش رہی اور یہی سوچتی رہی راجکمار۔ اگر آپ کی جگہ میں ہوتی اور مجھے اپنے پیارے کے لئیے زندگی کی صورت آپ کے گھر کی تباہی میں دکھائی دیتی تو دیوتا سر جان کی قسم، میں ماہاسان کی اونچی میناریں تباہ کر ڈالتی"

عمیث اسکے برابر میں خاموشی سے چل رہا تھا۔

"تم مجھ پہ غصہ نہیں ہو؟؟؟"

"شائد ہوں لیکن کیا فرق پڑتا ہے راجکمار"

"تم مجھے بار بار راجکمار کیوں کہہ رہی ہو؟؟؟؟"

اس نے اسے بغور دیکھا۔ وہ چلتے چلتے رک گئی تھی۔

"کیونکہ آپ راجکمار ہیں"

عمیث نے سینے پہ ہاتھ باندھ کر اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

"اور تم مجھے آپ کیوں کہنے لگی ہوں؟؟؟"

"کیونکہ راجکمار کو آپ ہی کہتے ہیں"

"میری مانو تو ورداس جانے کا خیال دل سے نکال دو"

وہ ریشہ باسی تھا جسکے پاس انہوں نے گھوڑے ٹھہرائے تھے۔

"وہ وادی سوائے دنیا بھر کے زہریلے جانوروں اور بیماریوں کے کسی کو اور

دے بھی کیا سکتی ہے۔ میری مانو تو ایک راستہ فحک سے ہو کر جاتا ہے، اس سے

چلے جاؤ"

"وہ بہت طویل راستہ ہے۔ کم سے کم دس دن کی مسافت ہے۔ میں اتنا وقت برباد نہیں کر سکتا ہوں۔ مجھے جلد از جلد اپنی منزل پہ پہنچنا ہے"

"میں پھر بھی یہی کہوں گا کہ ورداس سے ہرگز مت گزرنا۔ تمہیں اپنی جان عزیز نہیں تو بیشک اس زہر کی وادی میں کود جاؤ۔"

انکے گھوڑے انکے سپرد کردیے گئے تھے۔ اس پتھروں کی سلطنت سے وداع ہونے کا وقت تھا۔

"تمہارے پاس سوچنے کے لئیے ابھی بھی بہت وقت ہے۔ تم دیکھنے میں کسی اچھے گھر سے معلوم ہوتے ہو۔ تمہارے جبینے یا مرنے سے فرق پڑتا ہوگا۔"

اسے پیچھے تک آواز سنائی دیتی رہی تھی۔

"دیوتا ویسے بھی ناراض ہیں۔ کوشش کرنا اور کسی کو ناراض ناہی کرنا مسافر۔۔۔۔"

www.urdu novelsmania.com

میرانہ۔۔۔۔

ریشہ کا جڑواں شہر تھا جو جانے کب اس سے ہٹ گیا تھا۔ ایک زمانے میں ریشہ اور میرانہ ایک ہی سلطنت شمار ہوتے تھے۔ پھر یہ ہوا کہ آتش فشاں ٹھنڈے پڑتے

گئے اور آبادیاں بسنے لگیں۔ ریشہ آباد ہو گیا اور ٹھنڈے آتش فشاں گھروں میں بدل گئے۔ میرانہ میں کہیں اکا دکا جھونپڑیوں کے، آبادی نہیں تھی۔ اسکا راستہ ایسا پریچ بھی نہیں تھا۔ ایک حد تک اسے بے ضرر سلطنت مانا جاسکتا تھا۔ لیکن اب سننے میں آیا تھا کہ آقا کی اس پہ نظریں تھیں۔

"میں نے اوشارہ چھوڑتے ہوئے یہ خواہش کی تھی کہ تم میرے ساتھ چلو۔ اب مجھے اپنی اس خواہش پہ پکھتاوا ہو رہا ہے"

ریشہ چھوڑنے سے پہلے اس نے پارشے سے کہا تھا۔

"مجھے پتہ ہونا چاہیے تھا کہ جس سفر پہ میں نکلا ہوں اسکا راستہ ورداس سے ہوتا جاتا ہے۔ مجھے تمہیں اپنا ہمسفر بنانے سے پہلے یہ کیوں یاد نہیں رہا۔۔۔"

وہ زرارکا

"تمہیں میرے ساتھ نہیں آنا چاہیے پارشے"

اس پتھر یلے راستے پہ گھوڑے کی باگیں تھامے، وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

"کوئی بھی انسان اپنے گھر کے علاوہ اور کہیں محفوظ نہیں ہوتا ہے راجکار۔ اور آپ جانتے ہیں کہ میرا گھر پیچھے رہ گیا ہے۔ میرے لئے ریشہ اور ورداس ایک سا خطرناک ہے۔ یہ دونوں ہی میرا گھر نہیں ہیں"

آسمان پہ سرمئی بدلیاں جمع ہونے لگی تھیں۔ وہ دونوں گھوڑوں پہ سوار میرانہ کے آتش فشاؤں تک پہنچ چکے تھے۔ اندھیرے میں دور پہاڑوں کو دہکتا دیکھا جاسکتا تھا۔ فضا تپنے لگی تھی۔ سانس لینے میں تلخی سی محسوس ہوتی تھی۔

"میں نہیں چاہتا کہ ایک پیارے کی بیماری کا علاج کھوجتے ہوئے کسی دوسرے پیارے کی جان کو خطرے میں ڈال دوں"

گھوڑے تھک چکے تھے۔ ایک ٹنڈ ٹنڈ درخت کے تنے سے لگائیں باند کر وہ دونوں گھوڑوں سے اتر آئے تھے۔ ان پہاڑیوں تک جتنے دامن میں لاوا بہہ رہا تھا۔ راجکمار عیث کے ماتھے پہ پسینے کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہونے لگے تھے۔ اس نے گردن موڑ کر اوشارہ کے اس ڈھلتی شام کے سے حسن کو دیکھا۔ سیاہ آنکھوں میں آتش فشاں بہہ نکلا تھا۔ اس نے آہستگی سے پار شے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔

www.urdu novels mania.com

"دیکھنے والی نظر ہو تو ہر خطرے میں بھی خوبصورتی ضرور ہوتی ہے"

وہ اسکے ساتھ لاوے کے بے تحاشا نزدیک آ گئی تھی۔ تپش بڑھتی جا رہی تھی۔ بدن کے ہر مسام سے پسینہ بہہ نکلا تھا۔ اُبلتے ہوئے لاوے سے سرمئی دھواں اٹھتا اندھیرے میں گم ہوتا جا رہا تھا۔

"میری زندگی میں وہ دو فیصلے جن پہ میں کبھی نہیں پچھتاؤں گا۔ ایک تو یہ کہ میں نے اپنے بھائی کے لئے ماہسان چھوڑا اور۔۔۔۔۔۔"

وہ زرار کا۔ بغور ان گہری سیاہ آنکھوں میں دیکھا جو اسکی آنکھوں کو ہی دیکھ رہی تھیں۔

"دوسرا یہ جب میں نے اپنا دل تمہیں سوپ دیا۔۔۔۔۔۔"

ان آتش فشاں پہاڑوں نے کبھی دلوں کی ایسی دھڑکنیں نہیں سنی تھیں۔ انہوں نے کبھی کسی محبوب کو محب کے اتنے پاس نہیں دیکھا تھا۔

"تم جگ کے لئے دوسرے راستے پہ چلی جاؤ پارشے۔ تمہیں میرے ساتھ یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ہے"

راجمار عیث نے ایک بار پھر اس سے کہا تھا۔ اس راستے کی شروعات پہ جو انہیں میرانہ سے دور، ورداس کی طرف لے جانے والا تھا۔

"ہمسفر کا مطلب ہمسفر ہے راجمار۔ غم میں، خوشی میں۔۔۔ آسانیوں میں اور ہر ہر تکلیف میں۔۔۔۔۔۔"

وقت جیسے اپنی جگہ تھم گیا تھا۔

اب آنکھیں ان اندھیروں کی عادی ہونے لگی تھیں۔ اتنے گاڑھے اندھیرے میں بھی وہ دور تک دیکھ سکتے تھے۔ آسمان ہر سہمے ایک ساتھ۔ تارے چمکتے رہتے تھے۔ کبھی جو بادل نمودار ہوتے تو وہ چاندی کے ذرے چھپ جاتے تھے۔

ورد اس کچھ بھی نہیں تھا بس ایک ویرانہ تھا۔ اجاڑ بیابان راستہ جہاں دھرتی بانجھ تھی۔ وہاں اُگتی تھی تو بے مصرف جھاڑیاں اور سینک سلائی سے بوٹے۔ گھوڑے خراماں خراماں آگے بڑھ رہے تھے۔ پارشے گھوڑے کی پشت پہ سوار اونگھ رہی تھی جب وہ دھڑاں چنچ سنائی تھی۔ وہ پارشے کے گھوڑے کی آواز تھی۔ عیث نے گھوڑے کی لگائیں کھینچیں اور جلدی سے نیچے کودا۔ پارشے کا گھوڑا اسے زمین پہ پٹخ کر، اب خود بھی زمین پہ پڑا ٹپ رہا تھا۔ آن کی آن میں وہ لحیم شمیم جانور ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ ڈر کے مارے دوسرا گھوڑا بے قابو ہونے لگا تھا۔

"یہ کیا۔۔ کیا تھا؟؟؟" www.urdu novels mania.com

پارشے ابھی تک مردہ گھوڑے کو دہشت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے گھوڑا سیاہ پڑنے لگا تھا۔ لمحوں میں وہ ایسے دکھائی دینے لگا جیسے صدیوں پرانی نعش ہو۔ گوشت پوست سب مانع بن کر غائب ہونے لگا اور ہڈیاں تک دکھائی دینے لگیں۔

"ہمیں چلنا چاہیے"

عمیث نے آگے بڑھ کر سختی سے اسکا ہاتھ تھاما۔ وہ اسکے ساتھ گھوڑے پہ سوار آگے بڑھنے کو تھی جب اس نے آخری بار مڑ کر دیکھا۔ جس جگہ گھوڑے کی لاش تھی، اب وہاں سفید محلول سا بہہ رہا تھا۔

ورداس کے گہرے حصوں میں تو پہلے بھی اندھیروں کا ہی راج تھا۔ جب سورج اپنے حساب سے طلوع ہوا کرتا تھا تب بھی اس وادی میں اندھیرا ہی پھیلا رہتا تھا۔ اس راستے کے دونوں جانب قد آدم، عجب سے پودے تھے جو اوپر آسمان تک جا کر آپس میں یوں ضم ہو چکے تھے کہ راستے پہ چھت سی بن گئی تھی۔ اندھیرے میں کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ بس اندھیرا نہیں تھا، وہ ورداس کا اندھیرا تھا۔

"ہمیں اور زیادہ احتیاط برتنا ہوگی"

راجمار عمیث نے مشعل کی روشنی میں دیکھا۔ راستے پہ جگہ جگہ خاردار جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ گھوڑے کے لئے وہ سفر انتہائی تکلیف دہ تھا لیکن پھر بھی وہ اس جانور سے نیچے اترنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

سفر جاری رہا۔ یہاں تک کہ ان ڈالیوں سے گندھی چھت سے وہ مائع قطرہ قطرہ برسنے لگا تھا۔ وہ چچپسا احساس۔ عیث نے چونہ سر پہ ماتھے تک کھینچا تھا۔ وہ مائع جلد کے لئیے مہلک ثابت ہو سکتا تھا۔

"مجھے سانس لینے میں دشواری ہو رہی ہے"

پارشے کھانسنے لگی تھی۔ راجکمار کی سانسیں بھی اسکے گلے میں اٹکنے لگی تھیں۔ اندھیرے کی کڑواہٹ کے ساتھ ساتھ فضا میں کچھ اور بھی تھا جو سانسوں کے رکاوٹ پیدا کر رہا تھا۔ جھاڑیوں اور شاخوں میں سرسراہٹ سی ہونے لگی تھی۔ گھوڑا ڈر کے مارے ہنہانے لگا تھا۔ عیث نے مشعل بلند کی۔ وہ منظر دھڑا کر اٹھا۔

درختوں کی شاخوں سے بنی اس چھت سے دور تک حشرات لٹکے ہوئے تھے۔ بے تحاشا ٹانگوں والے بھورے اور سرخ کیڑے، مکڑیاں اور پروں والے پتنگے۔

"چلو۔۔۔ جلدی"

اس نے گھوڑے سے کہا تھا۔ گھوڑا ڈر کر اچھلا اور ان دونوں کو زمین پہ پھینک کر بھاگ نکلا تھا۔

"ورداس کے راجہ کے بارے میں ہمیں شاہی آیا کہانی سنایا کرتی تھیں"
وہ دونوں اس خطرناک راستے پہ اکیلے رہ گئے تھے۔

"اسکا دھڑمکڑے کا ہے اور سر اڑدے جیسا۔ اسکی پشت پہ دو پر ہیں اور نو کیلے
خنجر جیسے ناخن۔ وہ ان سب پہ راج کرتا ہے اور اسکے تابع مخلوق اسکے لئے کچھ بھی
کر سکتی ہے"

وہ کہانی پوری نہیں تو بہت حد تک سچ تھی۔ عیث اسے دیکھ سکتا تھا۔ مشعل کی
ناکافی روشنی میں اس ورداس کے راجہ کا سر نظر آ رہا تھا۔ فضا میں گھٹن بڑھتی جا
رہی تھی۔ ڈالیوں سے مکوڑے بارش کی بوندوں کی طرح برسنے لگے تھے۔
مضبوطی سے پارشے کا ہاتھ جکڑے، خود کو پوری طرح چوغے میں لپیٹ، دوسرے
ہاتھ میں مشعل پکڑے وہ آگے بڑھنے کی ہمت جمع کر رہا تھا۔ یہ تو طے تھا کہ اس
راجہ سے بھرے بنا راستہ ملنا ممکن نہیں تھا۔

"میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میں بس ایک مسافر ہوں جسے گھر پہنچنا ہے۔
میں تمہارے ساتھ عزت سے پیش آؤں گا راجہ۔ تمہیں اور مجھے دشمن بننے کی
ضرورت نہیں ہے"

یہ سب بیکار جانے والا تھا۔ ورداس کے راستوں پہ قدم رکھنے والی ہر مخلوق راجہ کی دشمن تھی۔

"میں پہلا وار نہیں کروں گا"

وہ پارشے کے سامنے ڈھال کے انداز میں چلتا ہوا آگے بڑھتا تھا۔ ورداس کے راجہ کا چہرہ واضح ہوا تو عیث نے اسکی بے تحاشا لال آنکھیں دیکھی تھیں۔ چہرے کے دونوں اطراف۔ عیث کے آگے بڑھتے ہی وہ بھی آگے بڑھتا تھا۔ ورداس کے اس راستے پہ اب وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔ عیث نے جھک کر مشعل زمین پہ چھوڑ دی اور کھیچ کر تلوار نکالی۔

مقابلہ شروع ہوا۔ ایک ہاتھ سے پارشے کا ہاتھ جکڑے، اسکے سامنے ڈھال بنا، وہ دوسرے ہاتھ میں تلوار پکڑے اس مخلوق کے ہر وار کو روک رہا تھا۔ اس کی کئی ساری ٹانگیں تھیں جن میں خنجر جیسے ناخن تھے۔ منہ کے اطراف میں ڈنک تھے۔ وہ وار پہ وار کرتا جا رہا تھا۔ اس فضا میں اب سانس لینا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ وہ طاقتور تھا اور اس پہ حاوی ہونے لگا تھا۔ عیث پے در پے وار سے اب تھکنے لگا تھا لیکن اس نے ہمت نہیں چھوڑی تھی۔ یوں منزل کے اتنے پاس پہنچ کر وہ ہار نہیں سکتا تھا۔ یونہی لڑتے لڑتے راجہ نے وار کیا اور عیث کے ہاتھ سے تلوار نکل گئی تھی۔

راجہ نے منہ کھول کر گرمی سانس لی۔ اسکی زہریلی تعفن زدہ بو سے وہ چکرا کر رہ گیا۔ مشعل بجھ چکی تھی۔ ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔ سانسیں گلے میں اٹکنے لگی تھیں۔

راجہ مار کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پارشے کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے وہ بے تابی سے ہر سو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا جب اس نے اپنے نزدیک وہ سرسراہٹ محسوس کی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، کوئی نوکیلی چیز اسے اپنے وجود میں اترتی محسوس ہوئی تھی۔ اسکا ذہن ماؤف ہوتا چلا گیا تھا۔

اس نے مُندی مُندی آنکھیں کھولیں۔
 فضا میں بدستور اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ لیکن وہ اس اندھیرے میں دیکھ سکتا تھا۔
 آنکھوں کو ایک بار جھپکنے کے بعد اس نے پھر سے دیکھا۔ وہ دروازہ تھا جو بند تھا۔
 گردن بلند کی تو تاحہ نظر تک اس دروازے کی اونچائی تھی۔ وہ اونچی فصیل جو کسی شہر کی طرف اشارہ کرتی تھی۔
 "راجہ مار۔۔۔۔۔ عیث۔۔۔۔۔"

پارشے کی آواز پہ اس نے گردن موڑ کر دیکھا اور پھر ذہن پہ زور ڈالا۔ آخری بار جب وہ ہوش میں تھا تو کیا ہوا تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں ؟؟؟؟ ادھر دیکھیں۔۔۔۔"

وہ اس فصل کو دیکھ کر پہچان گیا اور جان لیا کہ وہ کہاں تھا۔ تبھی وہ دروازہ کھلنے لگا تھا۔ راجکمار عیث نے ساری طاقت جمع کی اور جلدی سے اٹھ بیٹھا۔

اسکے باپ کی آخری نصیحت جس پہ وہ کم از کم عمل کرنا چاہتا تھا۔ اسے یاد تھا جو بادشاہ نے ماہسان چھوڑنے سے پہلے اس سے کہا تھا۔

"آقا سے ہمارا کوئی لینا دینا نہیں ہے"

دروازہ کھل چکا تھا۔ فصل کے دوسری طرف سے آتے روشنی میں وہ اسے دروازے میں ایستادہ دیکھ سکتا تھا۔ اندھیروں میں اندھیرا سا، ناکافی روشنی میں مٹے مٹے نقوش والا وہ انتہائی عام سا انسان۔ راجکمار عیث نے نجانے کیسے خود پہ ایک دہشت سی طاری ہوتی محسوس کی تھی۔ اسے لگا اسکے بدن کا رُواں رُواں بے چین ہونے لگا ہے۔ دروازے میں کھڑے اس شخص میں جانے کیا بات تھی، جانے کیسا سحر تھا کہ اسکی زبان گنگ ہو گئی اور دھڑکنیں بے قابو ہونے لگی تھیں۔

"دوست کہ دشمن ؟؟؟؟؟"

راجمار عیث کا دل چاہا سجدے میں جھک جائے۔ اسکا جی چاہا ریختا ہوا اس دروازے کے اُس پار پہنچ جائے اور دروازہ بند ہو جائے۔

"میرا تم سے کچھ لینا دینا نہیں ہے"

وہ جانے کیسے یہ کہہ پایا تھا۔ اس نے فضا میں اسکی ہنسی کی آواز کو بہتے پایا تھا۔
 "لین دین تو ہوگا ماہسان باسی۔ لیکن خیر ابھی وقت بھی تو نہیں ہے۔ تم تو ابھی خود کو نہیں جانتے، ہمیں کیا جانو گے۔"

راجمار عیث لاکھ کوشش کے باوجود اپنے مڑے ہوئے گھٹنے سیدھے نہیں کر پایا تھا۔

"میں گے شہزادے تب جب تم وہ ہو جاؤ گے جو تم ہو۔۔۔ اور ہم۔۔۔۔۔ ہم تو یہ ہی ہیں۔۔۔۔۔"

www.urdu-novelsmania.com

وہ سایا سا پلٹ گیا تھا۔ راجمار نے اپنے دل پہ ہاتھ رکھا۔ سانسیں دھونکنی کی مانند تھیں۔ پارشے بھی شاید اتنی دیر سے اسکے سحر میں تھی۔ اب دروازہ بند ہوتے ہی فسوں ٹوٹا تو جلدی سے اسکی طرف بڑھی تھی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟؟؟؟ راجمار؟؟؟؟"

"کیا ہوا تھا؟؟ وہاں ورداس میں؟؟؟؟؟"

اس نے لمبی سانس بھری

"دیوی زرمائشہ کا ہم پہ سایہ بنا رہے۔ اس وادی کے زہریلے جانوروں اور

بیماریوں سے ہم بچ نکلے ہیں۔"

اس نے ذہن پہ زور دیا

"کیسے؟؟؟؟؟"

وہ دھیمے سے مسکرائی

"جیسے آپ تشیان سے بچ نکلے۔۔۔ جیسے آپ نے یہ ساری مسافت طے کی۔۔۔

جیسے آپ نے شاناب کھوج نکالا ہے۔۔۔۔۔"

راجمار عیث نے ایک لمبی سانس بھری۔ پہیلیاں تو بہت ساری تھیں مگر شائد ابھی ان کے جواب ڈھونڈنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور آنکھیں موند کر

ایک گہری سانس لی۔ وہ فضا میں ماہاسان کی اور سے آتی ہواؤں کو محسوس کر سکتا

تھا۔

وہ آخری سفر جو اسے گھر تک لے جانے والا تھا، شروع ہو چکا تھا۔

آخری باب : ماہاسان

سارے عالم کو ہنوز اندھیرے کی چادر نے ڈھانپ رکھا تھا۔ وہ رہگزر خاموش تھی۔ دور آسمان پہ ستارے جگمگا رہے تھے۔ راجکمار عیث نے چلتے چلتے رخ موڑ کر دیکھا۔ اس سے کچھ قدم کے فاصلے پہ چلتی پارشے سست روی کا شکار تھی۔ وہ یقیناً تھک چکی تھی۔ وہ بھی تو نجانے کب سے چل رہے تھے۔

"ہمیں اب کچھ دیر کے لئے سست لینا چاہیے"

وہ گنجان آباد جنگل تھا۔ عیث نے ارد گرد سے سوکھی لکڑیاں جمع کر کے وہ الاؤ روشن کیا تھا۔ دور تک سنہری روشنی پھیل گئی تھی۔

"تمہیں بھوک لگی ہے ؟؟؟"

بھوک تو اسے بھی لگ رہی تھی۔ اس اندھیرے میں شکار مشکل تھا لیکن ضروری تھا۔ وہ پارشے کو وہیں چھوڑ کر جنگل میں شکار کی غرض سے ہی گیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں اس جانور کے ساتھ اسکی واپسی ہوئی تھی۔ تب تک پارشے ان پودوں سے وہ جنگلی پھل توڑ کر دامن بھر چکی تھی۔ نیلا چچا پھل جسکا لیس ہلکی سی ترشی لئے ہوئے تھا۔

"ماہاسان کیسا ہے راجکمار؟؟؟ وہاں لوگ کیسے ہیں؟"

آگ کے الاؤ پہ گوشت بھونے جانے کی خوشبو پھیلنے لگی تھی۔ عیث نے اسے دیکھا اور مسکرایا

"ماہاسان ہمارے باپ دادا کی بزرگی کی علامت ہے۔ تم دیکھو گی کہ شہر کی فسیل کو دیکھنے سے کیسا رعب طاری ہوتا ہے۔ اونچی میناریں ہماری اونچی شان کی علامت ہیں۔"

"محل مجھے قبول کرے گا؟؟؟؟"

وہ ہنس پڑا

"سوال یہ ہے کہ تم محل کو قبول کرو گی؟؟؟؟"

وہ خاموش رہ گئی

"فیصلہ تو تمہارا ہوگا۔ راج تو تم کرو گی۔ ماہاسان پہ جیسے ماہاسان کے ایک دل پہ کرتی ہو۔"

جنگل سے پرندوں کی چچھاہٹ سنائی دینے لگی تھی۔ وہ ایک نئے دن کی نشانی تھی۔

"تھوڑا آرام کرلو۔ پھر ہمیں سفر کرنا ہے۔ زیادہ دور نہیں، ماہاسان اب نزدیک

ہے۔ جلد ہی ہم گھر پہنچ جائیں گے۔۔۔۔"

جنگل کے ختم ہوتے ہی وہ راستہ شروع ہوتا تھا۔ وہ ٹیڑھ میڑھ سا راستہ جو ماہسان کی اور لے جاتا تھا۔ اس راستے پہ انہیں وہ قافلہ ملا تھا۔ وہ عورتیں اور بچے تھے۔ لٹے پٹے حالوں میں۔ عیث انہیں پہچان چکا تھا۔

"کہاں جا رہے ہیں؟؟؟ ماہسان سے آئے ہیں؟؟؟"

"ماہسان اب رہا کہاں ہے۔ ماثروں نے شہر پہ دھاوا بول دیا ہے۔ اب ساری سلطنت پہ ان جانوروں کا راج ہے۔ کیا محل، کیا جھونپڑیاں، ہر جگہ بس وہی ہیں" راجمار دھک سے رہ گیا

"کیسے۔۔۔ یہ کب ہوا"

اسے آخری بار جب پیغام ملا تھا تو وہ اشارہ میں تھا۔ بادشاہ کی طرف سے اسے واپس آنے کی نصیحت کی گئی تھی۔ حالات سنگین تھے وہ بھانپ گیا تھا لیکن اس قدر خرابی کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"پہلے تو وہ سلطنت کی فصل سے گھبرا جاتے تھے لیکن اب کی بار ایسا نہیں ہوا۔ وہ تو شہر پہ چڑھتے چلے آئے ہیں۔ بنا ڈرے، بنا رکے، ہر شے تھس تھس کرتے ہوئے۔"

وہ بوڑھی عورت بتاتی چلی گئی۔

"راجکمار ان سے مل گئے ہیں۔ انکی بیماری نے محل باسیوں کو بیمار کیا اور مائٹروں کی ایک فوج تو محل میں پیدا ہو گئی۔"

وہ ایک عورت مشعل کی ناکافی روشنی میں بھی اسے پہچان گئی تھی۔
"راجکمار عیث۔۔۔۔"

وہ اسکے سامنے تعظیم میں سر جھکا کر بولی تھی۔ باقی سب نے حیرانی سے دیکھا اور عورت کی پیروی کی تھی۔ عیث کے لئے تو وہ سب ناقابل یقین تھا۔ وہ سب کیونکر ممکن تھا۔ ماہاسان کی بہادر فوج اور شہر کی اونچی مضبوط فصیل کے ہوتے ہوئے مائٹر تو کیا کوئی بھی ماہاسان فتح کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔
"راجکمار ماہاسان ہار گیا"

وہ بوڑھی عورت رو پڑی تھی۔
"ہمارے بچے، ہمارے گھر سب چھین لئے گئے۔ راجکمار۔ ہم ہار گئے۔۔۔"

اب راجکمار عیث کو دشمن کی چال سمجھ میں آئی تھی۔ انہوں نے محل میں نقب اسی لئے لگایا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ ماہاسان تبھی فتح کیا جاسکتا ہے اگر شہر کے اندر سے

کوئی انکا دوست ہو جائے۔ راجکمار عائن کو وہ بیماری اسی مقصد کے لئے دی گئی تھی۔ اسکے ذریعے سے ماشر اس سلطنت پہ قابو کر سکے تھے۔

اندھیرے میں ڈوبا شہر اب عظمت کا نشان نہیں رہا تھا۔ سرتاپا خود کو چوغے میں چھپائے، راجکمار عیث اس راستے کے نیچوں نیچ کھڑا تھا۔ دور شہر کی فصیلوں پہ شمعیں روشن تھیں۔ وہ جو اسکا گھر تھا، وہ جو دشمن نے چالاکی سے اپنا بنا لیا تھا۔

"کوئی بیوقوفی مت کرنا میرے بیٹے"

اسے بادشاہ با شان نے ایک بار کہا تھا۔

"تب جب تمہیں لگے تم دنیا میں سب سے زیادہ کمزور اور بے بس ہو، تب اس لمحے خود کو سب سے زیادہ بیوقوف ثابت مت کرنا۔ وہ لمحہ ضائع مت کرنا۔ تب سوچنا کیسے اس بے بسی پہ قابو پا سکتے ہو اور کیسے طاقتور بن سکتے ہو۔۔۔۔۔"

اس نے ہولے سے مٹھی کو کھولا تھا۔ سیپ کے بند کناروں سے روشنی چھلک رہی تھی۔

اس بچے کچھ قافلے نے راجکمار کے مشورے پر وہیں خیمے لگائے تھے۔ کچھ اور لوگ بھی ماہسان سے اسے ملے تھے۔ انہی سے اسے معلوم ہوا کہ راجکمار عائن محل میں ہی تھا۔ اسے وہیں اسکے شاہی کمرے میں محصور رکھا گیا تھا۔

"مجھے محل میں جانا ہے۔ یہ سب جوانوں نے شروع کیا ہے، اسے اب ختم کرنے کا وقت آگیا ہے۔ عائن کی بیماری کے لیے جوشفا میں نے ڈھونڈی ہے، مجھے اس پہ یقین ہے"

پارشے نے اسے بغور دیکھا۔

"یہ خطرناک ہو سکتا ہے راجکمار"

"محبت ہی تو دنیا کی سب سے خطرناک شے ہے"

اس رات اس نے طے کیا کہ وہ محل میں جائے گا۔ جانے سے پہلے وہ اپنے خیمے میں تھا جب پارشے اندر آئی تھی۔ دیپ کی لوہولے ہوئے ٹمٹما رہی تھی۔ دیوار پہ دور تک آڑھے ترچھے سے سائے بہہ رہے تھے۔ مچلکی روشنی میں راجکمار عیث نے دیکھا پارشے میز کے پاس کھڑی تھی۔ اس نے ہولے سے جیب کو تھپتھپایا اور اس سیپ کی موجودگی کو محسوس کیا تھا۔

"میرے لئیے دیوتا فتن سے دعا کرنا۔ اس ساری محنت کا ثمر میرے بھائی کی صحتیابی کی صورت میں ملے"

پارشے پلٹی۔ اسکے ہاتھ میں دو گلاس تھے۔ سنہری مشروب سے بھرے ہوئے۔ اس نے عیث کو دھیمی سے مسکرا کر دیکھا تھا۔

"راجہ مار فتح یاب ہوں، اس دعا کے نام۔ راجہ مار کی صحتیابی کے نام۔ آج ابھی اس لمحے کے نام"

اس نے ایک جام عیث کی طرف بڑھایا تھا۔ عیث نے ہولے سے مسکرا کر گلاس پکڑا اور اسے زرا سا بلند کر کے اسے دیکھا۔

"دنیا کے اُس آخری کنارے، سمندر کے پاس ساحل پہ سیپ چنتی نارنجی روشنی کے نام جبے سب پارشے پکارتے ہیں"

جام اس نے ہونٹوں سے لگایا اور گھونٹ گھونٹ محلول اسکے وجود میں اترتا چلا گیا۔ چند ہی لمحوں کی دیری تھی جب اسے بے چینی سی محسوس ہونے لگی تھی۔ یکدم گلے میں کانٹے سے ابھر آئے تھے۔ اسے لگا اسکی سانس سینے میں کہیں اٹک گئی ہے۔ اسکا ہاتھ بے اختیار گلے تک گیا اور گردن مسلنے لگا۔

"راجکمار ایک بار آپ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں اپنے کسی پیارے کے لئے کس حد تک جاسکتی ہوں۔ کیا آپ کو یاد ہے میں نے کیا جواب دیا تھا ؟؟؟؟"

وہ ان سیاہ آنکھوں کو پہچان نہیں پایا تھا۔ وہ، وہ نین تو ہر گز نہیں تھے جو اوشارہ سے ماہسان تک اسکے ہمسفر رہے تھے۔ وہ جن میں بہتے پانیوں کی راجکمار عیث تفسیریں کیا کرتا تھا۔ وہ نجانے کس کی آنکھیں تھیں۔ پارشے کی تو ہر گز نہیں تھیں، اس پارشے کی جبے وہ اپنی پارشے سمجھتا تھا۔

"آپ نے میرا اوشارہ تباہ کر دیا راجکمار"

وہ چمکا کر رہ گیا۔ اسکے دماغ کے پردوں پہ کوئی ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ گلاس اسکے ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا۔ فرش پہ دور تک اسکی کرچیاں بکھر چکی تھیں۔

"تت۔۔۔۔۔ تمہیں مجھے زہر دینے کی ضرورت نہیں تھی پارشے۔۔۔۔۔ تمہیں میرا قاتل بننے کی ضرورت نہیں تھی۔ تم مجھ سے کہتیں اور میں اپنا قتل خود کر دیتا"

اس نے ہولے سے نفی میں سر ہلادیا

"آپ کا قتل تو مجھ پہ فرض تھا راجکمار"

عیث کو سانس لینے میں دشواری پیش آرہی تھی۔ وہ گردن کو مسلتا، اکھڑے اکھڑے سانس لے رہا تھا۔

"آپ نے میرا گھرا جاڑ دیا۔ آج آپ کا گھر برباد ہونے کو ہے، حساب برابر ہوا راجکمار۔ اب بس مجھے وہ چاہیے جو آپ نے میرے گھر سے چرایا تھا"

عمیث اسے دیکھ کر رہ گیا۔ پارشے سپاٹ چہرے اور سفاک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"وہ جو آپ نے شاناب سمجھ کر چرایا، راجکمار وہ محض آپ کی خام خیالی تھی۔ وہ، وہ نہیں ہے جسکی کھوج میں آپ نے یہ سفر طے کیا ہے۔ جو آپ نے اوشارہ کے پانیوں سے چرایا وہ کائنات کی بیش قیمت شے ہے لیکن وہ آپ کی وہ خواہش پوری نہیں کر سکتی جسکے پیچھے آپ نے ایک ریاست کو تباہ کر دیا"

وہ زرار کی۔

"آپ کو پتہ ہے ورداس کی وادی سے آپ زندہ کیسے بچ نکلے تھے ؟؟؟؟؟؟؟"

www.urdu-novelsmania.com

ورداس کی وادی میں وہ آمنے سامنے تھے۔

ماہاسان کا راجکمار اور ورداس کا وہ راجہ۔ وہ مشعل جو عمیث کے ہاتھ سے چھوٹ چکی تھی۔ سیاہ اندھیرا جو گاڑھا ہوتا جا رہا تھا۔ آسمان بن چکی ڈالیوں سے وہ زہریلا مادہ بارش کی صورت برس رہا تھا۔ ورداس کے راجہ نے اس راجکمار پہ وار کیا تھا۔

وہ خنجر جیسے ناخن عیث کے وجود میں گھستے چلے گئے۔ خون کے فوارے بہہ نکلے تھے۔ اسکی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ دل کی دھڑکنیں بے تال ہونے لگی تھیں۔ تبھی پارشے نے دیکھا۔ اس اندھیرے میں وہ ننھا سا جگنو نمودار ہوا تھا۔ وہ حیران رہ گئی۔ راجکمار کا خون جو زمین پہ بہہ نکلا تھا، اب روشنی کے ننھے ننھے زرے بن کر، جگنوؤں کے غول کی صورت میں فضا میں بلند ہو چکے تھے۔ پارشے کی آنکھیں خیرہ ہونے لگی تھیں۔ ورداس کی اس تاریک وادی میں نور جگمگا اٹھا تھا۔ وہ اتنے بے تحاشا جگنو جو دور تک اس راستے پہ محو پرواز تھے۔ پارشے نے دیکھا ورداس کا وہ راجہ ڈر کر بھاگ نکلا تھا۔ وہ راستہ صاف دکھائی دینے لگا۔ پارشے نے گہری سانس بھری اور راجکمار کو دیکھا۔

اسے یاد تھا ایک بار اوشارہ میں وہ بنا آنکھوں کی جادو گر بنی آئی تھی۔ اسکی سنائی کہانیاں بڑے عرصے تک ہر زبان پہ رہی تھیں۔ اس بچے کے بارے میں کی گئی پیشین گوئی جو اندھیروں میں اجالے بننے والا تھا۔

"شاناب"

ہاں، وہ اس کو یہی بلاتی تھی۔

وہ زمین پہ دوڑا نو بیٹھا تھا۔

اسکا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ جسم کے ہر مسام سے پسینہ بہہ نکلا تھا۔ سر جھکائے، وہ بمشکل سانس لے پا رہا تھا۔ لمحوں میں اسکی کھال سرخ پڑتی چلی گئی تھی۔ رگیں جامنی ہو گئیں اور رسیوں کی مانند نظر آنے لگیں۔

"کیوں تیشان کا صحرا آ پکو نکل نہیں سکا؟؟؟؟ کیوں اوشارہ کے پانیوں نے آ پکو نہیں ڈبویا؟؟؟؟ کیوں ورداس کے زہر آپ پہ بے اثر رہے؟؟؟؟؟ کیوں آقا نے آپ کو دوست کہانا ہی دشمن؟؟؟؟؟؟؟؟؟"

اس نے جھکے ہوئے سر کو ہولے سے نفی میں سر ہلایا تھا۔ وہ اسے غلط سمجھ رہی تھی۔ وہ کیسے وہ ہو سکتا تھا جو وہ اسے کہہ رہی تھی۔ وہ جانے کیا کہہ رہی تھی۔ وہ اس سب کو سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا۔

"وہ آپ ہیں راجکمار۔ وہ شاناب۔۔۔۔۔ آپ ہیں۔"

اسکی سانس اب سینے میں اٹکنے لگی تھیں۔

"آ پکو ایسی مشکل مہم پہ نکلنے کی ضرورت نہیں تھی راجکمار۔ آ پکو بس یہ کرنا تھا کہ ہاتھ بڑھا کر اپنے اس بیمار بھائی کو چھو لینا تھا۔"

راجما ر کے ہونٹوں سے خون بہہ نکلا تھا۔ اس نے اپنے سینے میں دھڑکتے دل کی دھڑکنوں کو مست پایا تھا۔

"آپ نے جو بھی کیا راجکمار وہ محبت نہیں تھی، وہ کسی کی محبت کا احترام بھی نہیں تھا۔ وہ بس ایک خواہش تھی جو آپ نے خود سے کی اور پھر اسے جنون بنالیا۔"

وہ زمین پہ ڈھے گیا۔ دیپ کی لوٹمٹمار ہی تھی۔ اس نے پارشے کی انگلیوں کو اپنے لباس کو ٹٹولتے پایا تھا۔

"مم۔۔۔۔۔ میں نے۔۔۔۔۔ تت۔۔۔۔۔ تم سے مم۔۔۔۔۔ محبت۔۔۔۔۔
پپ۔۔۔۔۔ شش۔۔۔۔۔ شے"

"آپ نے کبھی پارشے سے محبت کی ہی نہیں تھی راجکمار۔ کی ہوتی تو وہ سب نا کرتے جو آپ نے کیا۔۔۔۔"

اسکی آنکھیں بند ہوتی چلی گئی تھیں۔ وہ ایک آخری بار نظر بھر کر اسے دیکھنا چاہتا تھا لیکن بے بس تھا۔ آنکھیں پوٹوں تلے دفن ہو چکی تھیں۔ سانسیں ہو لے ہو لے دم توڑ چکی تھیں۔ منہ سے بہتا خون دور تک جمع ہو چکا تھا۔ یہ تب تھا جب راجکمار کا دل ایک آخری بار دھڑکا تھا۔

اور پھر ہر سوخا موشی چھا گئی تھی۔

مُج کا آسمان نیلا پڑتا چلا گیا۔

اتنے دنوں میں پہلی بار ہوا تھا کہ وہ اندھیرا چھٹنے لگا تھا۔ مشرق میں سنہری روشنیاں چمک رہی تھیں۔ راجکمار یُسنا حیرانی سے بھاگتی ہوئی باغچے میں آئی تھی۔ گلابی پھولوں کے گچھوں پہ تتلیاں منڈلانے لگی تھیں۔ اتنے دن سے مرجھائی ڈوڈیاں اب ہولے ہولے سر اٹھانے لگی تھیں۔ بھورے پروں والے پرندوں کے غول ڈالیوں پہ خوش الحان گیت گارہے تھے۔ ساری ریاست میں، گھروں اور بازاروں میں لوگ خوشی سے جھوم رہے تھے۔

آسمان پہ سورج طلوع ہو چکا تھا۔

اتنے دنوں سے چھائی رات آخر کار دم توڑ گئی تھی۔ تشیان کے ریگستان پہ جم چکی برف کی تہہ ہولے ہولے پگھلنے لگی تھی۔ پیاسے ریت کے زرات پانی کے ننھے ننھے قطروں کو ننگنے لگے تھے۔ اندھیروں میں ڈھکی چوٹیاں اب صاف دکھائی دینے لگی تھیں۔ اس پرانے جنگل میں بنی اس کُٹیا میں کیتک نے آنکھوں سے بے نیاز سر اٹھایا۔ داہنے ہاتھ کی دو انگلیوں کو ہوا میں گھماتی، وہ سورج کا سا نشان بناتی تھی۔

سورج جواب پوری آب و تاب سے اوشارہ کے پانیوں پہ چمک رہا تھا۔ زرد روشنیاں پانی میں گھل چکی تھیں۔ ساحل پہ بچے کچھے سادھو، نارنجی لباس پہنے، پھولوں کے تھال لئیے تھاپ پہ رقصاں تھے۔ انکی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ دیوتا ان سے راضی ہو چکے تھے۔ انہی کے نیچ پار شے تھے۔ اسکے دونوں ہاتھوں کے کٹورے میں وہ سیپ تھی جو خالی ہو چکی تھی۔ وہ سیپ جو کبھی سورج کے لئے قید بنی رہی تھی۔

دور و رد اس کی وادی خاموش تھی۔ وہ راجہ اپنے اندھیروں میں جا چھپا تھا۔ وہ راستہ سنسان تھا۔ وہاں جہاں سورج کا گزر کبھی نہیں تھا، اب تلک اندھیروں میں ہی جی رہا تھا۔

اور میرانہ کا آسمان تھا۔ اونچی فصیل پہ اس شہر کا آقا موجود تھا۔ دونوں ہاتھ پشت پہ باندھے، کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا۔

ماشروں کی چوٹیاں آباد ہو چکی تھیں۔ وہ جانور نما انسان اپنا شہر بسا چکے تھے۔ فتح کے جشن جاری تھے۔ بشیان کے پانیوں میں ماہاسان کی بچی کچھی عوام، کشتیوں میں سوار کسی محفوظ ٹھکانے کی تلاش میں تھی۔

ماہسان جسے شکست ہو چکی تھی۔

بادشاہ باثان قید کر لئیے گئے تھے۔ راجکمار عائن ماشروں کے ساتھ تھا۔ ہر سمجھ بوجھ کھو کر، وہ ان جیسا ہی بن چکا تھا۔ باقی شاہی خاندان تتر بتر ہو چکا تھا۔ راجکمار عیث کی لاش البتہ کسی کو نہیں ملی تھی۔

ماشروں کی پہاڑیوں کے نیچوں نیچ وہ گھاٹی تھی۔ وہاں جا بجا خیمے لگے ہوئے تھے۔ کہیں خیمے کے باہر آگ جل رہی تھی، کھانا پک رہا تھا تو کہیں کوئی جانور بندھا ہوا تھا جسکا مالک اسکی سیوا میں لگا ہوا تھا۔ الغرض زندگی اپنے طریق سے رواں دواں تھی۔ انہی خیموں میں سے ایک خیمے کا پردہ ہٹا کر وہ عورت اندر داخل ہوئی تھی۔ سر تا پا چوغے میں ملبوس، ماتھے تک کپڑا ڈالے ہوئے، اسکا چہرہ بمشکل دکھائی دیتا تھا۔

اندر خیمے میں سامنے وہ بستر تھا جس پہ وہ وجود موجود تھا۔ کمزور سا، کھاف سینے تک اوڑھے ہوئے۔۔۔

"وہ جو انسان بھی ہے اور ماں بھی۔۔۔۔۔ وہ جو زندوں میں بھی ہے اور مردوں میں سے بھی۔۔۔۔۔ وہ جو دوست بھی ہے اور دشمن بھی۔۔۔۔۔ اندھیرا بھی اسی سے ہے اور روشنی بھی۔۔۔۔۔"

وہ عورت چلتی ہوئی اس بستر تک پہنچی اور رک کر اسے دیکھنے لگی۔ جسم کا جو حصہ لحاف سے باہر تھا وہ برہنہ تھا۔ اسکی گلابی پڑچکی کھال پہ جگہ جگہ جامنی اور بھورے نشان تھے۔ اسکی آنکھیں بند تھیں اور ماتھے پہ بال بکھرے ہوئے تھے۔

"وہ جو سب پہ برتری رکھتا ہے۔ فحک کی خوبصورتیوں پر۔۔۔۔۔ تیشیان کے صحرا پر۔۔۔۔۔ ماہاسان کی بزرگی پر۔۔۔۔۔ اوشارہ کی روشنیوں پر۔۔۔۔۔ میرانہ کے خزانوں پر۔۔۔۔۔ بشیان کی وسعتوں پر۔۔۔۔۔"

وہ راجکمار عیث تھا۔ آہٹ پہ اس نے ہولے سے آنکھیں کھولیں۔ عورت نے آہستگی سے چوہہ سر سے اتارا تھا۔ اب اسکا چہرہ واضح ہوا تھا۔ راجکمار عیث کی آنکھوں میں حیرت تیر گئی تھی۔ وہ اسے پہچان چکا تھا۔ اس عورت کے چلائے تیر کے زخم راجکمار عائن کو جانور میں تبدیل کر چکے تھے۔

"تت۔۔۔۔۔ تم"

وہ ہولے سے مسکرائی

"ہاں۔۔۔ یہ میں ہی ہوں۔۔۔۔۔"

وہ زرار کی اور اسے بغور دیکھا

"یہ میں ہی ہوں، تمہاری ماں"

وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ مسکراتی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"ایک نئی زندگی مبارک ہو راجکمار"

ختم شد

